بیگم حسرت موہانی
اور
اُن کے خطوط و سفر نامہ

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی

(ایڈوکیٹ سپریم کورٹ)

مولانا حسرت موہانی

نشاط النساء (بیگم حسرت موہانی)

بیگم حسرت موہانی

اور

اُن کے خطوط و سفر نامہ

بیگم حسرت موہانی

اور

اُن کے خطوط و سفرنامہ

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی

(ایڈوکیٹ سپریم کورٹ)

مولانا حسرت موہانی، فاؤنڈیشن

BEGUM HASRAT MOHANI
AUR
UNKE KHUTOOT WA SAFARNAMA
by
Dr. Nafis Ahmad Siddiqui

Year of Edition 2015
ISBN 978-93-5073-663-0
₹ 300/-

نام کتاب : بیگم حسرت موہانی اور اُن کے خطوط و سفرنامہ
مصنف : ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی
سنہ اشاعت : ۲۰۱۵ء
زیرِ اہتمام : مولانا حسرت موہانی فاؤنڈیشن، 573، اسٹریٹ 7
ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵
Mob. 9811118374, 9717924801
قیمت : ۳۰۰ روپے
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔۶
تقسیم کار : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 3191، گلی وکیل، کوچہ پنڈت
لال کنواں، دہلی۔۶ Ph:23216162, 23214465
E-mail: info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

Published by
MAULANA HASRAT MOHANI FOUNDATION
For National Integration & International Understanding
573, Street-7 Zakir Nagar, P.O. Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph. 26988750, 23383786

فہرس

☆☆

ایڈیشن ثانی

''بیگم حسرت موہانی اوران کے خطوط'' مرتبہ عتیق صدیقی مرحوم جو پہلی بار دہلی سے شایع ہوا تھا لیکن اس میں ''سفرنامہ عراق'' بھی شامل تھا اب یہ تصنیف تقریباً نایاب ہو چکی ہے اس لئے اس کی ایڈیشن ثانی کی ضرورت ہوئی۔ مرحوم عتیق صدیقی نے بہت جانفشانی سے اس کتاب کے خطوط یکجا کرنے میں محنت کی ہے۔ لیکن معروضات بھی قابل ذکر ہیں کہ بیگم حسرت موہانی کا فوٹو کبھی نہیں لیا گیا'' جبکہ بیگم حسرت موہانی ہمیشہ حسرت موہانی کے ساتھ سیاسی، ادبی اور مذہبی (حج وغیرہ) میں ان کے ساتھ ہمسفر رہیں اور بقول شخصے وہ مولانا حسرت موہانی کی پی۔ آر۔ او کا رول ادا کرتی تھیں۔ اس لئے حسرت موہانی پر راقم کی کئی تصنیفات پر بیگم حسرت موہانی نشاط النساء اوران کی دوسری بیگم حبیبہ بیگم کے تصاویر شایع کردی ہیں یہ کتاب قابل ذکر ہیں First Complete Resolution and Trial of India & Hasrat Mohani Jail Experiences دیگر کتاب ہندی میں ہے ''بھارت کا پرتھم پورن سوتنترتا کا پرستاؤ اور مقدمہ اور حسرت موہانی کا جیل اولوکن''

دوسری اہم بات جو بیگم حسرت موہانی کے سفرنامہ عراق کا حوالہ سرورق نہ ہونے سے اس کتاب میں وہ بات نمایاں نہیں ہوتی جو اس کو سرورق میں ٹائٹل میں اشاعت سے ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ابوحریرہ خاں کا ایک مقالہ ''اردو میں خطوط نگاری کی روایت'' میں صفیہ اختر اور رضیہ سجاد ظہیر کے خطوط دہلی مئی جون ۱۹۱۶ پالیکا سماچار میں شایع ہوا ہے اس میں بیگم حسرت موہانی کے خطوط کا حوالہ نہ دینا وہ مقالہ نامکمل ہو جاتا ہے۔ اس خامی کو مکمل کرنے کی غرض سے ان خطوط کی اشاعت اور بھی اہم ہو جاتی ہے۔ ان خطوط میں سیاسی، قانونی (عدالتی) نظر بندی، ادبی اور معاشرتی عصری حالات کے علاوہ حسرت موہانی کی گرفتاری مقدمات کی پیروی، نظر بندی کا

تذکرہ ہے۔ ان میں اردو ادب کی بھرپور چاشنی ملتی ہے جو موصوفہ کے ادبی ذوق پر روشنی عیاں ہے۔" یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ بیگم حسرت موہانی کے خطوط اور وہ ڈائریاں جو حسرت موہانی روزانہ فجر کی نماز کے بعد گذشتہ دن کے حالات تحریر کرتے تھے جمال میاں فرنگی محلی جو کراچی میں مقیم ہو چکے تھے حسرت موہانی کی دوسری بیگم سے اشاعت کیلئے لے گئے تھے لیکن انہوں ان کی اشاعت تو درکنار راقم کے مانگنے پر دینے سے انکار کر دیا جبکہ ان کے خاندانی افراد نے بھی اس کی سفارش کی تھی۔ وجہ یہ تھی جمال میاں گاندھی جی کے ۱۸ خطوط جو کہ باری میاں کو اس لئے لکھے گئے تھے کیونکہ مولانا محمد علی اور شوکت علی کے وہ مرشد تھے اور حسرت موہانی کے پیر زادے اس لئے ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ میں آل انڈیا خلافت کانفرنس میں باری میاں کی صدارت میں کرائی گئی تھی لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جمال میاں نے اپنے صاحبزادوں کے ذریعہ وہ ۱۸ خطوط کھلے عام نیلام کر کے لاکھوں ڈالر وصول کر لئے۔ یہ قابل توجہ بات ہے کہ راقم اور ایک دانشور جو لندن میں سفیر رہ چکے تھے اور سپریم کورٹ میں وکالت کرنے لگے تھے کی کوششوں سے وہ خطوط خریدار سے حکومت ہند کے ذریعے واپس لئے جواب نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ حسرت موہانی کے خطوط بھی وہ نیلام کرتے لیکن راقم کے مطالبے پر وہ یہ نہ کر سکے۔ اس لئے حکومت ہند حکومت پاکستان سے ان خطوط کو حاصل کرے تا کہ ان کی اشاعت ہو سکے۔ گاندھی جی کے خطوط کی نیلامی کی رقم بھی قوم (خلافت) کی امانت ہے وہ بھی واپس وصول کی جائے۔ ورنہ نہ صرف بددیانتی ہے بلکہ جرم بھی ہے۔ اس سے اشاعت بیگم حسرت موہانی کے فوٹو اور مولانا حسرت موہانی کا ایک نایاب فوٹو مع راقم اور مولانا حسرت موہانی کی صاحبزادی کے فوٹو بھی شامل کئے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس ثانی ایڈیشن کو پسند کریں گے۔

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی
ایڈوکیٹ سپریم کورٹ
1573، اسٹریٹ 7، ذاکر نگر
جامعہ نگر، نئی دہلی۔25
9811118374, 971792481

☆☆

پیش لفظ

نشاط النساء بیگم حسرت موہانی، برصغیر ہند کی جدو جہد آزادی کی تاریخ کا ایک نہایت دل آویز کردار تھیں۔ انہیں موضوع قلم بنانے اور ان کے باقیات کو مرتب کرنے کے لیے کسی تمہید یا اعتذار کی، کم از کم مجھے، کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اس تاریخی حقیقت کا آج شاید کم ہی لوگوں کو ادراک ہوگا کہ بیسویں صدی میں جو ہندوستانی خواتین جہدِ آزادی کے میدانِ کارزار میں اتریں ان میں نشاط النساء کو اوّلیت کا فخر حاصل تھا۔ وہ اس میدان میں بی اماں (والدہ علی برادران) اور بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو کی پیش رو تھیں۔ ان کی سیاسی زندگی کا بالواسطہ مگر عملاً آغاز ۱۹۰۸ء میں اس وقت ہوا جب حسرت پہلی بار جرمِ بغاوت میں سزایاب ہوئے۔ اس موقع پر یکہ و تنہا ہونے کے باوجود انہوں نے حسرت کی ہمت افزائی کی اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی انہیں تلقین کی۔ پھر اسی صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں ایسی چند ہی خواتین نظر آتی ہیں جنہوں نے ملک کی قومی و سیاسی زندگی میں بھرپور حصّہ لیا تھا۔ ان میں سے ایک نشاط النساء بھی تھیں۔ پیش نظر کتاب بنیادی طور پر ان ہی کے خطوط پر مشتمل ہے۔

کتاب کے ابتدائی حصّے میں نشاط النساء کی سیرت و شخصیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بنیادی مواد کے فقدان کی وجہ سے اگرچہ اس پر سیر حاصل تبصرہ نہیں کہا جا سکتا، تاہم ان ہی کے زمانے کے بعض اخبارات کی وساطت سے ان کی زندگی کے کچھ ایسے پہلو بھی سامنے آئے ہیں جو اب تک نگاہوں سے اوجھل رہے ہیں۔

خطوط تعداد میں کم مگر قدر و قیمت میں زیادہ ہیں۔ ان خطوط کی سب سے اہم اور قابل

قدر خصوصیت یہ ہے کہ نشاط النساء اور حسرت کی زندگی نیز ان کے دور کی سیاسی تاریخ اور اس کے پیچ وخم کو سمجھنے میں وہ ہماری مدد کرتے ہیں۔

خطوط تین حصّوں میں منقسم ہیں۔ پہلے دو حصّوں کے خطوط حسرت کی دوسری اسیری (۱۸۔۱۹۱۶ء) اور تیسری اسیری (۲۴۔۱۹۲۲ء) کے دوران میں لکھے گئے تھے، اور ان کا تمام تر تعلق حسرت کے مقدمات کی پیروی کے حالات و واقعات سے ہے، اور ان کی نوعیت سیاسی و تاریخی ہے۔ ان میں سے ہر خط نشاط النساء کے عزم و استقلال اور حسرت کے سیاسی عقائد کے ساتھ ان کی کلّی ہم آہنگی کی نشان وہی کرتا ہے۔

ان دونوں حصّوں کے خطوط، باستثنائے چند جو اخبارات سے اخذ کیے گئے ہیں، مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کے نام لکھے گئے تھے، جو حسرت اور بیگم حسرت کے مرشد زادے ہونے کے علاوہ ان کے روحانی ہی نہیں سیاسی پیشوا بھی تھے۔ ان ہی رشتوں کی وجہ سے حسرت کے معاملات میں وہ بھی غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ نشاط النساء کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عبدالباری کے خطوط سے ان کو روحانی تسکین حاصل ہوتی تھی اور ان کی ڈھارس بھی بندھتی تھی۔

نشاط النساء کے بعض خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسرت کی دوسری اسیری کے دوران میں ابوالکلام آزاد اور علی برادران سے بھی ان کی مراسلت تھی جو حسرت ہی کی طرح نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن یہ خطوط دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔

پہلے حصّے کے اکثر خطوط کے ضمن میں حسرت کے بعض خطوں کے اقتباسات بھی نقل کیے گئے ہیں جو انہوں نے نشاط النساء کو اور مولانا عبدالباری کو لکھے تھے۔ ان اقتباسات کی مدد سے بعض معاملات کے متعلق حسرت کے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے جس کا نشاط النساء کے خطوط میں بار بار ذکر آتا ہے۔

تیسرے حصّے میں نشاط النساء کی زندگی کے آخری دور کے چھ یک سر غیر سیاسی خطوط ہیں جو انہوں نے اپنی بیٹی نعیمہ کو آخری سفر حج (۱۹۳۶ء) کے دوران میں لکھے تھے۔ یہ سفر انہوں نے حسرت کی معیت میں خشکی کے راستے سے کیا تھا۔ اس سلسلے کا پہلا خط کراچی سے لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد کے چار خط بغداد سے لکھے گئے تھے۔ آخری خط مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد انہوں نے لکھنا شروع کیا تھا، لیکن علالت کی شدّت نے اسے پورا کرنے کی مہلت نہ دی۔ اسی

سفرِ حج سے واپسی کے بعد ۱۸ اپریل ۱۹۳۷ء کو وہ سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئیں۔ ان کی وفات کے بعد حسرت نے ''تنقید رسائل کتب'' کے عنوان سے دو صفحات کا دیباچہ بھی لکھا تھا، جسے اس کتاب کے تیسرے حصے میں پیش لفظ کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

اس سفرنامے کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حسرت اور نشاط النساء کی خانگی زندگی کی جھلکیاں بھی کہیں کہیں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں کے کھانے پینے اور رہن سہن کے طور طریقوں کا بھی ہمیں کچھ علم ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان دونوں کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں کے بارے میں یہ خطوط تحقیق مزید کا مطالبہ کرتے ہیں، جن پر خوش عقیدگی اور مبالغے کی تہیں جم گئی ہیں۔

پیش نظر مجموعے کے خطوط کے بارے میں چند حقائق کی طرف اشارہ کرنا شاید بے محل نہ ہوگا۔ مثلاً مکتوب نگار کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ یہ خطوط کبھی چھپ کر منظرِ عام پر بھی آئیں گے۔ موضوع کے اعتبار سے خطوط اگرچہ ادبی نہیں، سیاسی و تاریخی ہیں، تاہم ان میں کسی جگہ ادبی تہی دامنی سے بھی نگاہیں دوچار نہیں ہوتیں۔ نشاط النساء روایتی معنوں میں ادیب نہیں تھیں، لیکن قدرت نے ان کو ادبی حِس یقیناً عطا کی تھی۔ شادی سے قبل انہیں اردو کے علاوہ فارسی و عربی کی تعلیم بھی دی گئی تھی، جس نے ان کی ادبی حس کو قوی تر کر دیا تھا۔ پھر حسرت کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اس کا اندازہ ان کے خطوط سے ہوتا ہے، جن کی زبان صاف، سادا اور رواں ہونے کے علاوہ ادبی لغزشوں سے بڑی حد تک پاک نظر آتی ہے۔ یہ اس اعتبار سے اور زیادہ حیرت ناک ہے کہ یہ خطوط عجلت اور انتہائی پریشانی کے عالم میں لکھے گئے تھے۔

اس امر کا اعتراف نہ کرنا ادبی بد دیانتی ہوگی کہ اس مجموعے کے پہلے اور دوسرے حصّے کے خطوط، بہ استثنائے چند نقوش (لاہور) کے خطوط نمبر اور مکاتیب نمبر سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کو شائع کر کے نقوش نے تاریخ کے ایک اہم خلا کو پر کیا ہے لیکن اس امر کا اظہار بھی غالباً ناشکری پر محمول نہ کیا جائے گا کہ انہیں جوں کا توں نقل نہیں کیا جا سکا ہے۔

نقوش میں شائع شدہ خطوط پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہی یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ خطوط کی تاریخی ترتیب کو ملحوظ رکھنے کے لیے بعض خطوط کی نشست بدلنی ہوگی۔ لیکن جب مسودہ تیار کرنے کی منزل آئی تو قدم قدم پر احساس ہوا کہ یہ کام اتنا ہی دشوار ہے، جتنا آسان سمجھا گیا

تھا۔ بعض خطوط میں نیچے کی عبارت اوپر چلی گئی ہے اور اوپر کی نیچے۔ ایک خط کی غزل دوسرے خط میں نقل کر دی گئی ہے ان حالات نے خطوط کو از سرِ نو مرتب کرنے کا تقاضا کیا، اور اس عمل کی تکمیل خاصی صبر آزما ثابت ہوئی۔

ضرورت تھی، اور احتیاط کا تقاضا بھی کہ مطبوعہ خطوط کا اصل سے مقابلہ کیا جائے جو مولانا عبدالباری مرحوم کے بیٹے مولانا جمال میاں (جمال الدین عبدالوہاب فرنگی محلی) حال مقیم کراچی کے پاس محفوظ ہیں۔

اصل سے مقابلہ کرنے کی ضرورت سب سے زیادہ حسرت کے ان خطوط کے سلسلے میں محسوس ہوئی، جو نشاط النساء کو لکھے گئے تھے اور نقوش کے مکاتیب نمبر میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کے ابتدائی تین خطوط پر "ڈسٹرکٹ جیل فیض آباد" کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۶ء کی ۵ر فروری اور ۱۱ مارچ کی تاریخیں درج ہیں، جب کہ حسرت ۱۳ر اپریل ۱۹۱۶ء کو گرفتار ہوئے تھے، اور ۱۹۱۶ء کا پورا سال انہوں نے جھانسی اور الہ آباد میں، اور غالباً پرتاپ گڑھ میں بھی، بسر کیا تھا۔

متذکرہ بالا تینوں خطوط میں "۱۹۱۶ء" کو نقل کرنے کی، یا کتابت کی غلطی تصور کرکے، یا خود حسرت کی بے خیالی پر محمول کرکے "۱۹۱۷ء" سمجھ لیا جائے، تو بھی بات نہیں بنتی۔ اس سلسلے میں کلیاتِ حسرت کے حصہ چہارم سے مدد لینے کی کوشش کی گئی، جس میں ۱۹۱۷ء کی کہی ہوئی غزلیں مقام اور تاریخ کی قید کے ساتھ درج ہیں تو معاملہ اور الجھ گیا۔ نقوش میں حسرت کا جو پہلا خط ملتا ہے، اور جس پر ۵ر فروری ۱۹۱۶ء کی تاریخ درج ہے، اس کا پہلا جملہ یہ ہے:

"میں پرتاپ گڑھ سے فیض آباد ۲ فروری کو بخیریت پہنچا۔"[1]

کلیات میں فیض آباد جیل میں کہی جانے والی چار ایسی غزلیں ملتی ہیں جن پر ۹/۱۲ر ۱۸ر اور ۲۲ر جنوری ۱۹۱۷ء کی تاریخیں درج ہیں۔ فروری ۱۹۱۷ء میں کہی جانے والی ایک غزل ملتی ہے، جو میرٹھ جیل میں ۱۴ فروری کو کہی گئی تھی۔

با ایں ہمہ اس حقیقت کا احسان مندی کے ساتھ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ نقوش ہی میں شائع شدہ خطوط اس مجموعے کی ترتیب و تالیف کے محرک ہوئے۔ میں ممنوں ہوں ڈاکٹر خلیق انجم صاحب، کا جنہوں نے ان خطوط کی طرف مجھے توجہ دلائی۔

---

[1] نقوش (مکاتیب نمبر): ص ۶۰۷

اظہار تشکر کے ضمن میں جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) کی ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری کا نام نہ لینا احسان ناشناسی ہوگی جس کے قابل قدر ذخیرے نے، میری اکثر سابقہ کتابوں کی طرح، اس مجموعے کی ترتیب و تالیف کے سلسلے کی بھی، بہت سی منزلیں آسان کیں۔

ثانوی مآخذ کے علاوہ بعض اخبارات۔ خصوصاً روز نامہ ہمدم (لکھنؤ) اور ہفت روزہ (مدینہ بجنور) —— سے بھی مدد لی گئی ہے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ان کا اجراء ہوا تھا اور اپنے زمانے کے بڑے قابل قدر اخبارات تھے۔ انہوں نے طویل زندگی بھی پائی مدینہ تو حصولِ آزادی کے بعد بھی کچھ برسوں تک جاری رہا۔ لیکن ان کی مکمل فائلیں اب نایاب ہی ہیں۔ خوش قسمتی سے متذکرہ دونوں اخباروں کا بہت بڑا ذخیرہ جامعہ ملیہ کے کتب خانے میں نکل آیا، جو شاید کہیں اور نہ مل سکے گا۔ اس ذخیرے نے واقعات کی بہت سی متعلقہ کڑیاں فراہم کیں۔

اس سلسلے میں مجھے ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری کے عملے کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ جس نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میرے ساتھ تعاون کر کے میرے کام کو آسان بنایا۔

ایک آخری بات، جس کے لیے مجھے کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، یہ ہے کہ حوالوں میں، نیز کتابیات میں انگریزی کتابوں کے نام اردو رسم خط میں لکھے گئے ہیں۔ اگر اردو رومن رسم خط میں لکھی جا سکتی ہے تو انگریزی بھی اردو رسم خط میں لکھنے کا تجربہ کیوں نہ کیا جائے!

جامعہ نگر، نئی دہلی

۲۳ر ستمبر ۱۹۸۱ء

عتیق صدیقی

☆☆

نشاط النساء بیگم حسرت موہانی

حیات اور شخصیت

ایک روایت کے مطابق حسرت نے، حصول آزادی کے بعد ایک صحبت میں اپنے زمانے کی تین ایسی بیویوں کا بڑے دلچسپ انداز میں ذکر کیا تھا جن کے شوہروں نے اپنی زندگیاں جدو جہد آزادی کے لیے وقف کی تھیں اور جیل خانوں کو گھر آنگن بنا رکھا تھا۔ اس کے نتیجے میں ان کی بیویاں طرح طرح کی روحانی اذیتوں کا اور ذہنی پریشانیوں کا سامنا کرتیں۔ مگر گلہ شکوہ تو در کنار ان کی زبان سے اُف تک نہ نکلتی۔ حسرت سے منسوب بیان کے مطابق ''یہ تین عورتیں نہ ہوتیں تو'' وہ خود کسی اخبار کے اڈیٹر ہوتے، مولانا آزاد الہلال یا البلاغ نکالتے رہتے اور جواہر لال نہرو زیادہ سے زیادہ بہت کامیاب بیرسٹر ہوتے۔ انہوں نے جان دے دی مگر ہم سے یہ مطالبہ نہ کیا کہ لیلائے سیاست کے پرستارو! تم جیل جا رہے ہو، ہمارا کیا ہوگا۔''[1]

یہ روایت غلط ہو یا صحیح، لیکن اس میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں، انہوں نے اپنی بیویوں کی زندگی میں ان کی وفا پرستی کا داد دی ہو یا نہ دی ہو، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے ایثار و قربانی کا پر خلوص انداز میں اعتراف ضرور کیا — حسرت نے ،اردوئے معلی، میں مولانا آزاد نے ،غبار خاطر، اور انڈیا ونس فریڈم، میں اور جواہر لال نہرو نے اپنی آپ بیتی، کو جان ہار کملا کے نام، معنون کر کے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی قابل ذکر حقیقت ہے، اور اس سے چشم پوشی نا انصافی ہوگی، کہ ابوالکلام آزاد اور جواہر لال نہرو کی بیویوں پر حسرت کی بیوی کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل تھی کہ ان کے ایثار و قربانی کی داستان ۱۹۰۸ء سے شروع ہوئی تھی جب حسرت پہلی بار قید و بند کی ہولناک زندگی سے دوچار ہوئے — اس وقت تک ابوالکلام آزاد سیاسی لیڈر کی حیثیت سے روشناس

[1] علیم اختر: 'مولانا حسرت موہانی': جائزہ (دکان پور): ستمبر ۱۹۷۵ (حسرت نمبر) ص ۶۴

نہیں ہوئے تھے۔ اور جواہر لال نہرو انگلستان میں زیرِ تعلیم تھے۔

بیگم حسرت موہانی، حسرت ہی کے الفاظ میں ''نشاط النساء بیگم نام' خلف سید شبیر حسن موہانی، اصل ان کی قصبہ موہان، توابع لکھنؤ' کے نیشا پوری خاندانِ سادات سے تھی''۔ [۲] خود حسرت کی بھی یہی 'اصل' تھی۔ ہم جد ہونے کے علاوہ دونوں میں قریب ترین خونی رشتہ بھی تھا۔ ''حسرت کے والد سید از ہر حسن کی بہن سیدہ منصور النساء بیگم حسرت کے والد کی زوجہ تھیں۔'' اسی طرح ''سید از ہر حسین کے بیٹے حسرت موہانی کی شادی سید شبیر حسن کی بیٹی سیدہ نشاط النساء کے ساتھ ہوتی۔'' [۳] یہ رشتہ نہایت مبارک و مسعود ثابت ہوا۔ نشاط النساء روایتی معنوں ہی میں نہیں، حقیقی معنوں میں حسرت کی شریک زندگی بنیں۔

مغربی معاشرے میں عام طور پر بیوی کو 'نصف بہتر' کہا جاتا ہے۔ لیکن اس اصطلاح کے حقیقی مفہوم کا نشاط النساء سے زیادہ شاید ہی کسی مغربی یا مشرقی بیوی پر اطلاق ہو سکے۔ حسرت کی ذات میں اپنے وجود کو انہوں نے اس طرح تحلیل کیا تھا کہ ان کی ۳۷ سالہ (۱۹۰۱ تا ۱۹۳۷ء) ازدواجی زندگی سے اگر صرفِ نظر کر لیا جائے تو حسرت کی زندگی کی تصویر دھندلی سی نظر آئے گی، یا فوٹو گرافی کی اصلاح میں، آوٹ اف فوکس، ہوگی۔ حسرت کی زندگی میں نشاط النساء کی شرکت حسرت کے مذہبی عقائد کی پیروی، یا ان کے متصوفانہ اعمال کے برتنے ہی کی حد تک محدود نہ تھی، وہ حسرت کی شریکِ سیاست بھی تھیں اور شریک ادب بھی۔ یہی نہیں کہ ''حسرت کا ساتھ دینے کے لیے ہر اس تحریک سے وہ دلچسپی رکھتی تھیں، جس سے حسرت کو دلچسپی تھی۔'' [۴] بلکہ وہ ان کی ہمت افزائی بھی کرتی تھیں۔ حسرت پہلی بار جب ۱۹۰۸ء میں گرفتار ہوئے تو نشاط النساء کا دل جتنا بھی رویا ہو، لیکن اس حادثے کے دوسرے ہی دن انہوں نے حسرت کو لکھا:

> ''تم پر جو افتاد پڑی ہے اسے مردانہ وار برداشت کرو' میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا۔ خبردار! تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو۔'' [۵]

۲۔ حسرت: بیگم حسرت موہانی: اردوئے معلٰی: مئی جون ۱۹۳۷: ص ۳

۳۔ ایضاً

۴۔ ضیاء الدین برنی: بیگم حسرت موہانی: عظمت رفتہ: ص ۱۹۴

۵۔ حسرت: مشاہدات زنداں: اردوئے معلٰی۔ جنوری ۱۹۱۰: ص ۱۱

حسرت کے ہر فیصلے کی تائید نشاط النساء ہمیشہ ایمان و ایقان کے ساتھ کرتی تھیں، خواہ وہ فیصلہ ضد اور خود رائی ہی پر مبنی کیوں نہ رہا ہو، اور اس کے نتائج ان دونوں کے حق میں کتنے ہی تکلیف دہ نہ ثابت ہوئے ہوں۔ حسرت دوسری بار ۱۹۱۶ء میں جب قانون تحفظ ہند کے تحت نظر بند کیے گئے تو اس قانون کو غیر اخلاقی و غیر مذہبی گردانتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا عبدالباری محمد علی اور ابوالکلام آزاد کو ان کی رائے سے اتفاق نہیں تھا، لیکن وہ اپنی بات پر اڑے رہے۔[۶] ان کے اس طرز عمل سے نشاط النساء کو جو پریشانی ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو اپنے مرشد زادے مولانا عبدالباری کو انہوں نے نجی طور پر لکھے تھے ایک خط میں انہوں نے لکھا تھا:

"......محمد علی صاحب کا بھی خط آیا، ان لوگوں کی بھی یہی رائے ہے۔
حسرت خدا کرے راضی ہو جائیں، ورنہ مصیبت تو ہتی ہے"۔ [۷]

لیکن حسرت جب اپنی بات پر اڑے رہے، نظر بندی کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ڈیڑھ سال کے لیے جیل چلے گئے تو نشاط النساء نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ:

"حسرت نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس میں ضد اور خود رائی کو مطلق دخل نہیں ہے۔ میں نے اُن کی اس رائے کو بے حد اطمینان اور خوشی کے ساتھ یکجا ہے۔ ایسی نظر بندی سے قید بہر حال بہتر ہے۔ حسرت نے خوب کیا۔ مجھے ان سے یہی امید تھی۔" [۸]

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ نشاط النساء نے حسرت کی زندگی کے ہر رنگ میں اپنے کو اس طرح رنگ لیا تھا کہ ان کا وجود من تو شدم، تو من شدی، کی عملی تفسیر بن گیا تھا۔ ان کے کردار کے اسی پہلو نے حسرت کو، عشق کی حد تک، ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ نشاط النساء کی رائے کا وہ احترام ہی نہیں کرتے تھے، ان کو اپنے سے "بدرجہا بہت" بھی سمجھتے تھے اور ان کی "زجر و توبیخ"

---

[۶] مکتوب حسرت بنام مولانا عبدالباری: مقدمہ کلیات حسرت از مولانا جمال میاں فرنگی محلی (مطبوعہ دہلی) ص ۲۳ تا ۳۶

[۷] مکتوب نشاط النساء بنام مولانا عبدالباری: کتاب ہذا: ص ۵۸

[۸] بحوالہ جلیل قدوائی: مولانا حسرت موہانی: "جائزہ (کان پور) حسرت نمبر: ستمبر ۱۹۷۵۔ ص ۴۷

کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ [9] ایک واقف حال کے بیان کے مطابق

''بیوی سے ان کو (حسرت کو) بہت محبت تھی، بلکہ کسی قدر ان سے ڈرتے بھی تھے۔ بیوی کو بھی مولانا سے بہت محبت تھی اور جب جب مولانا قید میں رہے انہوں نے وطن چھوڑ کر وہیں جیل سے قریب قیام کیا تاکہ کھانے پینے کے سلسلے میں (انہیں) کوئی تکلیف نہ اٹھانا پڑے اور ملاقات بھی جلد ہو سکے۔'' [10]

نشاط النساء کے مقابلے میں حسرت کی مرعوبیت کے بہت سے اسباب تھے، جنہیں حسرت نے ''صفات عالیہ'' سے تعبیر کرتے ہوئے اس طرح گنائے تھے:

''خدا گواہ ہے کہ راقم کے اس قول میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ایثار و انکسار، حیاء و غیرت، محبت و مروّت، فہم و فراست، جرأت و صداقت، عزم و ہمت، وفا و سخا، حسن عقیدت، صدق نیت، خلوص عبادت، حسنِ خلق، صحتِ مذاق، پاکی و پاکیزگی، صبر و استقلال اور سب سے بڑھ کر عشقِ رسول اور محبت حضرتِ حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں میں بلکہ مردوں میں بھی آج ہندوستان میں کم ایسے افراد ہوں گے، جن کو ہم بیگم حسرت سے بہتر تو کیا، ان کے برابر بھی قرار دے سکیں ان تمام باتوں کی تفصیل ایک جداگانہ تصنیف کی طالب ہے۔'' [11]

حسرت کے مندرجہ بالا بیان کو ان کے وقتی جذبات پر محمول کرنا، یا اس میں شاعرانہ مبالغہ آرائی کے عنصر کو تلاش کرنا نشاط النساء کے ساتھ زیادتی اور حسرت کے ساتھ ناانصافی ہوگی، خصوصاً اس حالت میں جب کہ یہ ساری باتیں حسرت نے خدا کو گواہ بنا کر قلم بند کی تھیں۔

حسرت اور نشاط النساء دونوں بچپن ہی سے ایک دوسرے کے مزاج داں رہے تھے۔ عم زاد بھائی بہن ہونے کے علاوہ ان کا بچپن ایک ہی جگہ، ایک ہی ماحول میں، بلکہ ایک ہی چھت

---

[9] حسرت: بیگم حسرت موہانی: اردوئے معلی: مئی جون ۱۹۳۷ء

[10] رابعہ بیگم، حسرت کی خانگی زندگی،: اردو ادب حسرت نمبر: ص ۹۸

[11] حسرت: متذکرہ

کے نیچے بسر ہوا تھا۔ دونوں کی عمر میں صرف چار سال کا الٹ پلٹ تھا۔ حسرت کا سال پیدائش ۱۸۸۱ء ہے اور نشاط النساء کا ۱۸۸۵ء۔ ان کا ساتھ پہلی بار ۱۸۹۴ء میں اس وقت چھوٹا جب اردو مڈل پاس کرنے کے بعد انگریزی کی تعلیم کے لیے حسرت کو فتح پور جانا پڑا۔ اس وقت نشاط النساء کی عمر نو سال کی اور حسرت کی تیرہ سال کی رہی ہوگی۔ موہان چھوڑنے سے ایک سال قبل حسرت نے ایک غزل کہی تھی، جو ان کی پہلی غزل کہی جاتی ہے۔ اس کا مقطع ہے:

عشق نے ان کو سکھا دی شاعری
اب تو اچھی فکرِ حسرت ہوگئی

اس مقطع سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۸۹۳ء میں اسکولی تعلیم کے ساتھ ساتھ مکتب عشق میں بھی انہوں نے درس لینا شروع کر دیا تھا، اور اپنے جذبۂ عشق کے اظہار ہی کے لیے انہوں نے شاعری شروع کی تھی۔ اسی غزل کا ایک شعر یہ بھی ہے:

مسجدوں میں کون جائے واعظا!
اب تو ایک بت سے ارادت ہوگئی

یہ ایک بت کون تھا جس سے، مسجد سے قطع تعلق کی حد تک، حسرت کو ارادت ہوگئی تھی؟ اس سوال کا جواب ہمیں کہیں نہیں ملتا۔ حسرت کے بعض اہل خاندان کے حوالے سے ایک مقالہ نگار خاتون نے، جو خود بھی حسرت سے شاید عزیز وارانہ نسبت رکھتی تھیں، حسرت کے عنفوان شباب کی رنگین حکایتیں اشاروں کنایوں میں بیان کی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق حسرت کے قریبی عزیز ان کے عنفوانِ شباب کے زمانے کے متعلق:

> ''گفتگو کرتے وقت زیرِ لب مسکراتے ہیں۔ کبھی اڑتا اڑتا کوئی نام سنائی دیتا ہے، کبھی خوبصورت پہنچیوں کا ذکر ہوتا ہے جو خربوزے کے بیجوں کو پیلا اور سرخ رنگ کر بنائی گئی تھیں، اور ہدیۂ شوق کے طور پر پیش ہوئی تھیں......'' ۱۲

یہ اُڑتا اُڑتا، سنائی دینے والا نام کس کا تھا؟ اور پہنچیوں کا 'ہدیۂ شوق' کسے پیش کیا گیا تھا؟ اس کی نشان دہی کہیں سے نہیں ہوتی۔ بہر کیف اس پردے میں جو معشوق بھی پنہاں ہو، عربی

۱۲ رابعہ بیگم: مستذکرہ، ص ۹۵

شاعری کے تتبع میں، حسرت کی بنتِ عم، نشاط النساء سے اس کا رشتہ جوڑنا صحیح نہ ہوگا۔ اس پردے کے پیچھے اگر وہ چھپی ہوتیں تو اس اہتمام والتزام کے ساتھ ان کا نام چھپانا چنداں ضروری نہ ہوتا۔

حسرت کے ایک قریب ترین عزیز حاجی سید اکرام الحسن موہانی کی وساطت سے ایک خاتون کی نشان دہی ہوتی ہے، جن سے حسرت کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔

"حسرت ان کے کرایہ دار کے پڑوس میں اصحاب حسین خاں نام کے ایک صاحب رہتے تھے۔ ان کی اہلیہ جو خانم کے نام سے مشہور تھیں، بے حد حسین تھیں، حسرت کو خانم سے بڑی انسیت ہوگئی تھی، اور وہ ان کے گھر جا کر گھنٹوں ان کو دیکھا کرتے اور ان سے محوِ گفتگو رہتے۔"[۱۳]

اس بیان کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اور اس کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ خانم نے یقیناً ارادی یا غیر ارادی طور پر، حسرت کے مضطرب دل کے تاروں کو چھیڑ کر ان کے جذبۂ عشق کو بیدار کر دیا تھا۔ اس اعتبار سے انہیں حسرت کی حیات معاشقہ کا دیباچہ، یا زیادہ سے زیادہ، اس کا دفتر اول، ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ خانم کے وجود سے قطع نظر کر کے حسرت کی کتاب دل کی تفسیر لکھنے کی اگر کوشش کی گئی ہوتی اور اسے موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہوتا تو، گمان غالب ہے: کہ کوئی ایسا کردار ضرور سامنے آتا جس کا نام آج کسی کو معلوم ہو یا نہ ہو، مگر نشاط النساء کو ضرور معلوم تھا۔ یہ گمان یقین میں بدل جاتا ہے جب ایک معتبر راوی کا یہ بیان سامنے آتا ہے کہ حسرت اور نشاط النساء میاں بیوی میں:

> "کبھی کبھی پر لطف نوک جھونک بھی ہوا کرتی تھی۔ مولانا کے کسی شعر پر تبصرہ فرماتے ہوئے (نشاط النساء) کہہ دیتیں کہ یہ شعر فلاں کے عشق میں کہا ہوگا۔ بعض وقت وہ خود بھی چھیڑنے اور ان سے کچھ سننے کی خاطر اپنی غزلیں سناتے اور اسی اثنا میں کہتے یہ شعر کس کی یاد میں کہے گئے ہیں۔"
>
> بس مولانا کا اتنا کہنا ان کو بے چین کر دیتا اور فوراً برس پڑتیں۔"[۱۴]

یہ بھی ایک قابلِ ذکر حقیقت ہے کہ نشاط النساء جب بیگم حسرت بن کر حسرت کی زندگی میں داخل ہوئیں تو پھر وہ ان ہی کے ہو رہے اور نشاط النساء بھی ان میں اس طرح گم ہوئیں کہ

۱۳۔ احمر لاری: حسرت موہانی۔ حیات اور کارنامے: ص ۶۶۔۱۶۵

۱۴۔ رابعہ بیگم متذکرہ: ص ۹۹۔۹۸ (نوٹ): ۔ اکرام الحسن اور رابعہ بیگم نے یہ فرضی واقعات بتائے ہیں۔

دونوں کی ازدواجی زندگی کامیاب ہی نہیں رہی بلکہ مثالی بن گئی۔ گمان غالب ہے کہ اس کامیابی میں حسرت سے کہیں زیادہ نشاط النساء کی "صفات عالیہ" کو دخل رہا ہوگا۔ جرأت وہمت اور عزم و استقلال کی صفات سے قطع نظر، ان میں مطابقت پذیری کی یا ماحول کے سانچے میں ڈھل جانے کی اہلیت بدرجہٗ اتم موجود تھی۔ اسی کے بل پر انہوں نے اپنے کو حسرت کے فکر و عمل کے سانچے میں بڑی کامیابی کے ساتھ ڈھال لیا تھا۔

نشاط النساء کی ازدواجی زندگی کی کامیابی کا ایک بڑا سبب، غالباً سب سے بڑا سبب، یہ بھی تھا کہ جب وہ بیگم حسرت بنیں تو اَن پڑھ یا کندۂ ناتراش نہ تھیں نہ جتنی تعلیم انہیں دی گئی تھیں وہ ان کے زمانے کی کم ہی لڑکیوں کے حصّہ میں آئی ہوگی۔ یہ اس وقت کا قصّہ ہے جب لڑکیوں کے لیے اسکولوں اور کالجوں کا دور ہمارے ملک میں شروع نہیں ہوا تھا۔ قصبات کا کیا ذکر ہے، بڑے شہروں میں بھی تعلیم نسواں کی تحریک چونٹی کی چال چل رہی تھی۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اعلا اور متوسط طبقے کی لڑکیوں کو بھی صوم وصلوٰۃ اور طہارت وغیرہ کی تعلیم دینے ہی پر اکتفا کی جاتی تھی۔ لیکن نشاط النساء کو اس دور کے مسلم معاشرے کی عام روش سے ہٹ کر "مذہبی تعلیمات کے علاوہ اردو فارسی اور عربی زبانوں کی معقول تعلیم بھی دلائی گئی تھی۔" جس نے ان کے سماجی شعور کو اس حد تک بیدار کر دیا تھا کہ شادی سے قبل "ان کا خاص مشغلہ پس ماندہ قصبے کی لڑکیوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا، [۱۵] بن گیا تھا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ ازدواجی زندگی کے میدان میں قدم رکھتے وقت حسرت کی ادبی ہم سفر بننے کی صلاحیت ان میں ضرور موجود رہی ہوگی جسے حسرت نے جلا دے کر جس حد تک چمکا دیا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حسرت اپنی غزلیں انہیں سنایا کرتے تھے۔ [۱۶] اور وہ ان پر تنقید بھی کیا کرتی تھیں۔ حسرت کے دوسرے اور تیسرے سفر زنداں کے دوران میں نشاط النساء نے ان کے چھ دواوین (پنجم تا دہم) مرتب کر کے شائع کیے، اور ان کے اشاعتی ادارے کو نیز ان کے قائم کردہ سودیشی اسٹور کو کسی نہ کسی طرح زندہ رکھا۔

اس خیال سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کہ طالب علمی ہی کے زمانے سے حسرت

---

[۱۵] ماہ نامہ رہبرِ نسواں (کان پور): نومبر ۱۹۳۳ء؛ بحوالہ عبدالشکور: حسرت موہانی؛ ص ۱۱۷

[۱۶] رابعہ بیگم: متذکرہ

شیدائے ادب سے زیادہ فدائے سیاست رہے تھے۔ اس اعتبار سے حسرت کی کامیاب رفیق زندگی بننے کے لیے نشاط النساء میں ادبی شعور سے زیادہ سیاسی فکر و عمل کی صلاحیت کا ہونا بڑی حد تک ضروری تھا۔ سیاست کے باب میں بھی انہوں نے اگر چہ حیرت ناک حد تک اپنے کو حسرت کے سانچے میں ڈھال لیا تھا، تاہم یہ کہنا دشوار ہے کہ شادی سے قبل سیاسی فکر کی صلاحیت بھی ان میں موجود تھی یا نہیں؟ غالباً نہیں رہی ہوگی۔

یہ ایک دل چسپ اور بامعنی اتفاق تھا کہ نشاط النساء بھی ۱۸۸۵ء کے اسی سال میں پیدا ہوئی جس سال انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا، جس کی قیادت میں انہیں بھی بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائیوں میں، حسرت کے دوش بدوش، برصغیر کی جدو جہد آزادی کی تحریک میں حصّہ لینا تھا۔ ان کی طفولیت کے عہد میں، بلکہ عنفوانِ شباب کے زمانے میں بھی، انڈین نیشنل کانگریس بھی طفولیت ہی کے دور سے گذر رہی تھی۔ ملک کی قومی و سیاسی زندگی کا بھی یہی حال تھا جس سے دلچسپی شہروں کے بالائی طبقوں ہی تک محدود تھی۔ دور دراز قصبات عام طور پر قومی و سیاسی مسائل سے بے خبر یا بے واسطہ رہتے تھے۔ لیکن مضافاتِ لکھنؤ کے اکثر قصبات کی طرح موہان بھی اس کلیّہ سے کچھ حد تک مستثنا رہا ہوگا، جو لکھنؤ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر ہی کی دوری پر واقع ہے۔ قربِ لکھنؤ سے قطع نظر، اردو اخبارات جو ہفت روزہ ہی ہوتے تھے، بڑے قصبات تک پہنچنے لگے تھے۔ ان کی وساطت سے سیاسی معاملات کی ہلکی ہلکی گونج بھی وہاں سنائی دینے لگتی تھی۔ گمان غالب ہے کہ نشاط النساء کے کان بھی ان صداؤں سے ایک سرنا آشنا رہے ہوں گے۔ حسرت کی معیت نے اُن کی لے یقیناً تیز تر کر دی ہوگی۔

۱۹۰۱ء میں نشاط النساء کی جب شادی ہوئی۔ [۱۷] تو حسرت علی گڑھ میں اف اے کے طالب علم تھے۔ اُس دور میں میاں بیوی کو ساتھ رہنے کے مواقع تعطیل ہی کے دنوں میں ملتے رہے ہوں گے۔ ان مختصر اوقات میں بیوی کی ذہنی تربیت کی طرف توجہ دینے کی نوبت مشکل ہی سے آتی رہی ہوگی۔ اس سے قطع نظر خود حسرت کا بھی سیاسی شعور اس دور میں زیرِ تعمیر ہی تھا۔ لیکن

[۱۷] حسرت کی شادی کے سنہ کے سلسلے میں ان کے قریبی عزیزوں کے بیانات مختلف ہیں لیکن اس باب میں حاجی سید اکرام الحسن موہانی کی حیثیت عینی شاہد کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق حسرت کی پہلی شادی ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔" (تفصیل کے لیے دیکھیے احمر لاری: حسرت موہانی، حیات اور کارنامے: ص ۸۰)

بی، اے کے امتحان سے فارغ ہوتے ہی ۱۹۰۳ء میں انہوں نے جب علی گڑھ ہی سے اردوئے معلیٰ کا اجرا کیا اور چھوٹا سا مکان لے کر شہر ہی میں رہنے لگے تو یقیناً بیوی کو بھی وہ علی گڑھ لے آئے ہوں گے۔ اس وقت ان کا سیاسی شعور بھی پختہ ہو چکا تھا، اور اپنے سفر کی منزل بھی وہ متعین کر چکے تھے۔ علی گڑھ کے دورانِ قیام میں بیوی کی ذہنی تربیت کی طرف بھی انہوں نے پوری توجہ دی ہوگی۔ کیوں کہ انہیں اس کا کلی احساس رہا ہوگا کہ سیاسی میدان میں بیوی ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے سے قاصر رہی تو منزل کی طرف ان کا بڑھنا آسان نہ ہوگا۔

نشاط النساء کو علی گڑھ آئے ہوئے ابھی پانچ سال بھی نہ ہوئے تھے کہ حسرت کو یکایک قید و بند کی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ان کیلئے خصوصاً نشاط النساء کے لیے کڑی آزمائش کا وقت تھا، جو علی گڑھ میں یکہ و تنہا تھیں۔ کالج میں، اور کالج کے باہر بھی، حسرت کے دوستوں اور ہمدردوں کی کمی نہ تھی لیکن حکومت کے غضب ناک تیور اور خداوندانِ کالج کی قہر آلود نظروں نے سب کی ہمتیں پست کر دی تھیں۔ لیکن نشاط النساء اس امتحان میں پوری اتریں۔ چار ساڑھے چار سال کی مختصر مدت میں حسرت نے جس حد تک ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا، اس کا حسرت ہی کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے:

> "گرفتاری کے وقت راقم کی شیر خوار بچی حد درجہ علیل تھی اور اتفاق سے والدۂ نعیمہ اور ایک خادمہ کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ لیکن ان کی ذات سے اس نازک وقت میں حیرت انگیز حوصلہ: استقلال کا اظہار ہوا۔ خود پریشان ہو کر راقم کو بھی مغموم کرنے کے بجائے انہوں نے دوسرے ہی دن بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل ایک ایسا ہمت افزا خط بھیجا جسے دیکھ کر کارپردازانِ زنداں بھی متحیر رہ گئے......" ۱۸

حسرت نے ایک سال (۲۳ جون ۱۹۰۸ء تا ۱۹ر جون ۱۹۰۹ء) جیل میں بسر کیا۔ ۱۹ اس میں مدت میں حسرت پر جو بیتی اس کی ہولناک داستان تو 'مشاہدات زنداں' میں ہم کو مل جاتی ہے، لیکن نشاط النساء کو اس ایک سال کے اندر جن حالات کا سامنا ہوا ہوگا، اس کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ کسی مآخذ سے اس کا اجمال حال بھی نہیں معلوم ہوتا۔

---

۱۸ حسرت: مشاہدات زنداں: اردوئے معلیٰ: جنوری ۱۹۱۰ء: ص ۱۰ و ۱۱

۱۹ ایضاً: دسمبر ۱۹۰۹: ص ۹

لیکن مندرجہ بالا اقتباس میں حسرت نے نشاط النساء کے جس خط کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اس امر کا اعلان کر رہا ہے کہ ازدواجی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں انہوں نے حسرت کی سیاسی رفاقت کا، اور اس سے پیدا ہونے والے آلام ومصائب کا عزم وہمت سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

۱۹۰۹ء میں جب حسرت رہا ہوئے اور اردوئے معلیٰ دوبارہ جاری کرنا چاہا تو اس وقت علی گڑھ کی فضا پر جرمِ بغاوت میں ان کے سزایاب ہونے کی اس درجہ ہیبت طاری تھی کہ کوئی بھی مقامی پریس ان کے رسالے کو چھاپنے کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوسکا۔ حسرت بھی دھن کے پکے تھے اِنہوں نے دو چار پتھروں کا بندوبست کر کے اپنے مختصر سے مکان میں کاٹھ کا دستی پریس لگالیا۔ اور اردو پریس، اس کا نام رکھا۔ اس مطبع میں — اگر اس مطبع کا شان دار نام دیا جاسکے۔ تو حسرت کتابت کرنے کے علاوہ پریس مین کی خدمت انجام دیتے اور نشاط النساء پیپر مین کی۔

اسی اردو پریس سے یوپی کی حکومت نے ۱۳ر مئی ۱۹۱۳ء کو ''ایک ہفتے کے اندر تین ہزار کی ضمانت مجسٹریٹ ضلع کے پاس جمع کرنے کا'' حکم دیا اردوئے معلیٰ کو اور اس نام نہاد پریس کو بند کرنے کے علاوہ حسرت کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اردوئے معلیٰ میں ''اردو پریس کا خاتمہ'' کے عنوان کے تحت رسالے کو بند کرنے کا اعلان کردیا۔ [۲۰]

یوپی کی حکومت کے اقدام کے خلاف سب سے شدید احتجاج ابوالکلام آزاد نے کیا۔ انہوں نے الہلال کی دو مسلسل اشاعتوں میں ''اردو پریس علی گڑھ کی ضمانت'' کے عنوان سے اپنے غم وغصّے کا اظہار کیا۔ [۲۱] اس کا وہ حصّہ ہمارے موضوع سے خصوصی تعلق رکھتا ہے، جس میں انہوں نے نشاط النساء کا ذکر کرتے ہوئے انہیں حسرت کی ''کوہِ عزم وثبات بیوی'' سے تعبیر کیا تھا۔

۱۳ر اپریل ۱۹۱۶ء کی تاریخ نشاط النساء کی زندگی میں اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی تاریخ حسرت دوسری بار گرفتار ہوئے اور اس کے ساتھ ہی نشاط النساء کی زندگی کا عملی سیاسی آغاز ہوا۔ اس موقع پر حالات کی خاموش تماشائی بننے کی جگہ پر انہوں نے گھر کی چہار

---

۲۰ اردوئے معلیٰ: مئی وجون ۱۹۱۳ء

۲۱ الہلال: ۲۱ر مئی و ۲۸ مئی ۱۹۱۳ء

دیواری سے نکل کر حسرت کے مقدمے کی پیروی اپنے ذمے لی، اور یہ کام انتہائی نامساعد حالات میں بڑی دلیری و ہمت سے انجام دیا یہ یقیناً بڑے دل گردے کا کام تھا جو ایک ''کوہ عزم و ثبات بیوی'' ہی انجام دے سکتی تھی۔

حسرت کے مقدمے کے سلسلے میں نشاط النساء کی اہلیت و صلاحیت کا ایک دل چسپ اور نہایت اہم پہلو بھی سامنے آتا ہے، جو اب تک نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حسرت کے مقدمے کے دوران میں، اور بعد میں ان کی اسیری کے زمانے میں بھی، انہوں نے بڑی ہمت اور قابلیت کے ساتھ حسرت کے، پبلک ریلیشنس آفیسر، کی خدمت بھی انجام دی۔ مقدمے کی پیروی کے ساتھ ساتھ اخبارات کی وساطت سے حسرت کے حالات سے بھی عوام کو باخبر رکھا۔ اس کا اندازہ اس دور کے اخبارات سے ہوتا ہے جو بہت کم دست یاب ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ہفت روزہ مدینہ ہے، جس میں ہندوستانی (لکھنؤ) مشرق (گورکھپور)، نئی روشنی (الہ آباد) وکیل امرتسر اور دوسرے اخباروں کے حوالے سے حسرت کے مقدمے کی خبریں ملتی ہیں، جو نشاط النساء ہی کی فراہم کردہ تھیں۔ مثلاً:

> ''ہندوستانی لکھنؤ رقم طراز ہے کہ مسز حسرت موہانی کی ایک تحریر سے، جو انہوں نے ہم کو ارسال کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کو للت پور (میں) نظر بند رہنے کا حکم دیا گیا ہے...... ''[۲۲]
>
> ''اہلیہ حسرت موہانی تیسرے خط میں تحریر فرماتی ہیں...... ''[۲۳]

نشاط النساء نے باوجود عورت ہونے کے جس ہمت مردانہ سے کام لے کر حسرت کے مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں دوا دوش کی اور حسرت کے حوادث زنداں سے عوام کو جس طرح باخبر رکھا، وہ اس زمانے میں تھا بڑی جرأت و ہمت کا کام۔ اور جن صبر آزما حالات میں یہ کام انجام دیا گیا تھا، ان کو اگر سامنے رکھا جائے، تو ان کے کاموں کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے۔ ابوالکلام آزاد جو حسرت کی گرفتاری سے چند روز قبل، خود بھی، ڈفنس آف انڈیا، کا شکار ہو کر رانچی میں نظر بند ہو چکے تھے، نشاط النساء کو ایک طویل خط میں لکھا تھا:

---

۲۲ مدینہ (بجنور): ۱۵ر مئی ۱۹۱۶ء

۲۳ ایضاً: ۲۴ر جون ۱۹۱۶ء

"اخبارات میں صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کا کمیونک نظر سے گزرا، اور آپ کا خط بھی جو سینٹرل (مسلم) بیورو[۲۴] نے شائع کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ...... مولوی حسرت نے اور آپ نے ثابت کردیا ہے کہ...... کامل انسانوں سے مسلمانوں کی بستیاں ابھی بالکل خالی نہیں ہوئی ہیں......

"جب میں آپ کے عزم واستقلال اور اس کے ساتھ تنہائی وکس مپرسی کو سوچتا ہوں، تو کہہ نہیں سکتا کہ قلب کا کیا حال ہوتا ہے۔ یہ اللہ ہی کی مدد ہے...... جس نے آپ کو ان مصائب وشدائد میں بھی وہ درجۂ عزم بخشا ہے جو کسی ایک مرد کو بھی آج نصیب نہیں۔ افسوس! میں خود بھی (نظر بندی کی وجہ سے) مجبور ومعطل ہو رہا ہوں...... کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کیوں کر آپ کے لیے مفید ہو سکتا ہوں......"

خط کے درمیانی حصے میں اس زمانے کی قومی زندگی کے ایک عبرت ناک پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی لکھا تھا۔

"اس وقت اس سے زیادہ امید نہ رکھئے کہ چند اخباروں میں دو چار مضامین (حسرت کی ہمدردی میں) نکل جائیں —— اور وقت کی حالت دیکھتے ہوئے وہ بھی خلاف توقع ہے۔" [۲۵]

نشاط النساء کو بھی جلد ہی اس صورت حال کا عملی تجربہ ہو گیا۔ حسرت کے مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں انہیں بڑے ہمت شکن اور روح فرسا حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ حسرت کے ہم عصر بیرسٹر دوستوں نے، جو ملکی معاملات میں ان کے ہم خیال اور قومی معاملات میں پیش پیش تھے، وعدے کرنے کے باوجود ان کے مقدمے کی پیروی کرنے سے پہلو تہی کی۔ کسی نے پیشگی فیس اور اخراجات سفر کا مطالبہ کیا اور کسی نے صاف انکار کردیا۔

---

[۲۴] یہ کوئی خبر رساں تجارتی ایجنسی نہیں تھی اس کا کام نظر بندوں خصوصاً مسلمان نظر بندوں کے بارے میں عوام کی اطلاع کے لیے اخباروں کو خبریں فراہم کرنا تھا۔ آگے چل کر یہ ادارہ اعانت نظر بندان اسلام، کی انجمن کا حصہ بن گیا تھا۔

[۲۵] مکتوب ابوالکلام آزاد: نقوش (لاہور) مکاتیب نمبر: ص۔ ۹۷۰۔۷۱

اس آڑے وقت میں ابوالکلام آزاد ہی کچھ کام آئے۔ ان کا متذکرہ بالا خط جس اہمیت کا حامل ہے، اس کی طرف لوگوں کی نظریں نہیں گئی ہیں۔ بیگم حسرت کو موضوع قلم بنانے والوں نے ان کے اس طویل خط کا ایک مختصر سا ہی اقتباس پیش کیا ہے۔ جس میں نشاط النساء کے عزم و استقلال کو سراہا گیا تھا۔ اس خط کے آخری جملوں کو کس نے بھی قابل التفات نہ سمجھا، اگر چہ پورا خط ان ہی کی تمہید کے طور پر لکھا گیا تھا:

"آپ کی مالی حالت آج کل کیسی ہے؟ مصارف و اخراجات کا کیا انتظام ہے؟ مکان قائم ہے یا نہیں؟ اور قائم ہے تو کیوں کر اس کا انتظام ہوا ہے؟ امید ہے کہ ان امور کو تفصیل سے لکھیں گی۔"

یہ سوالات بلا وجہ نہیں کیے گئے تھے۔ ان سوالوں سے قبل انہوں نے یہ بھی لکھا تھا:

"کوئی ضرورت، کوئی کام، کوئی خدمت مجھے لکھیے۔ شاید میں کچھ کر سکوں" ۲۶

ان سوالوں کا جو جواب انہیں ملا ہوگا، وہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن نشاط النساء ہی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالکلام آزاد کی پیش کش رہی نہیں تھی انہوں نے مولانا عبد الباری کو لکھا تھا:

"میں نے ابوالکلام صاحب کو ایک تار دیا تھا۔ انہوں نے کلکتہ سے ایک بیرسٹر کو سو روپے (اور) فیس وغیرہ دے کر جھانسی بھیج دیا ہے۔" ۲۷

ابوالکلام آزاد کی اس عملی ہمدردی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب نشاط النساء کا ایک سابقہ خط ہمیں نظر آتا ہے، جس میں کرب اور بے بسی کے ساتھ انہوں نے لکھا تھا۔

کوئی وکیل یا بیرسٹر جھانسی جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہ کیسی مجبوری اور افسوس کو مقام ہے۔" ۲۸

نشاط النساء کی زندگی کا یہی وہ در ہے جب انہوں نے پردہ ترک کر دیا۔ وہ "چہرہ کھول

۲۶ ایضاً

۲۷ دیکھیے کتاب کا ص ۷۹

۲۸ ایضاً۔ ص ۷۵

کر نہایت سادہ لیکن پردہ پوش لباس میں باہر آتیں اور کسی کی پروانہ کرتیں۔"[۲۹] یہ جرأت مندانہ اقدام انہوں نے اس وقت کیا جب "نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ ہندوؤں میں بھی پردے کی رسم شرافت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔"[۳۰]

پردہ ترک کرنے کے ساتھ ساتھ جملہ سامانِ آرائش وزیبائش کو بھی انہوں نے خیرباد کہہ دیا۔ "ان کے ہاتھوں میں کبھی کوئی زیور نہیں دیکھا گیا، وہ چوڑیوں سے بھی بے نیاز تھیں...... وہ پردے سے اس لیے باہر آئی تھیں کہ خاوند کی رفاقت اسی کی مقتضی تھی کہ وہ ایسا کریں۔"[۳۱]

حسرت کی قید (۱۸۔۱۹۱۶ء) کے دوران میں نشاط النساء کا قیام زیادہ تر علی گڑھ ہی میں رہا۔ جہاں اور دشواریوں کے علاوہ مالی مشکلات کا بھی انہیں یقیناً سامنا ہوا ہوگا۔ لیکن حسرت کے سیاسی دوستوں کی مالی اعانت قبول کرنے پر وہ اپنے کو کبھی آمادہ نہ کر سکیں۔ حسرت کے ایک سیاسی و ادبی دوست نے ان کے علی گڑھ کے مکان کا، نیز مالی اعانت قبول کرنے سے انکار کا بڑے موثر انداز میں نقشہ پیش کیا ہے:

> "کانگریس کے کسی کام سے مجھے علی گڑھ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اپنے احباب سے میں نے سنا کہ حسرت کے گھر والوں کی زندگی بڑی مصیبت اور عسرت میں گذر رہی ہے۔ میں نے کوشش کی کہ میں بیگم حسرت موہانی سے ملوں۔ وہ میرے نام اور حسرت سے میرے مراسم سے یقیناً واقف تھیں۔ میں ان سے ملنے گیا...... ایک احاطے میں ایک درخت کے تلے ایک کچا پکا چھوٹا سا مکان تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنا نام بتایا۔ بیگم حسرت نے دروازہ کھولا اور مجھے ایک کمرے میں، جس میں ایک پرانی دری بچھی ہوئی تھی، لے جا کر بٹھا دیا۔ اس زمانے میں بیگم حسرت اپنی بوڑھی بیمار ماں اور بچی کو ساتھ لے کر اس مکانمیں رہتی تھیں۔ حسرت کے متعلق بات چیت ہوئی...... حسرت تو جیل میں تھے، ان کے در و دیوار سے

---

[۲۹] سلیمان ندوی: حسرت کی سیاسی زندگی: نگار (لکھنؤ) حسرت نمبر: ص ۱۱۸

[۳۰] کشن پرشاد کول: حسرت موہانی کی شخصیت: قومی آواز: بحوالہ نگار: حسرت نمبر ص ۵۹

[۳۱] ضیاء الدین برنی: عظمتِ رفتہ: ص ۹۶۔۱۹۵۔

حسرت ٹپک رہی تھی۔ آخر میں میں نے جھجکتے ہوئے دلی زبان سے کہا کہ آپ منظور کریں تو کچھ مالی امداد کا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے گوارا نہیں کہ میرے لیے پبلک چندہ کیا جائے۔ میں جس حالت میں ہوں، خوش ہوں۔ آپ اس کی زحمت گوارا نہ کریں۔ لمحے بھر کے سکوت کے بعد پھر بولیں کہ حسرت نے شعرا کے کئی دیوان چھپوائے تھے۔ ان کا یہ ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اردوئے معلی بند ہو چکا ہے۔ یہ کاروبار ہی ابتر ہو گیا۔ اب یہ ڈھیر یہاں پڑا بے کار جگہ گھیر رہا ہے۔ اگر آپ ان دواوین کے فروخت کرنے کا کوئی انتظام کرسکیں تو البتہ کچھ سہولت ہو جائے گی..........''۳۲

اس امر کی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ اپنی مالی امداد کے لیے انفرادی یا اجتماعی 'چندے' کا طریق کار اختیار کرنے پر نشاط النساء کبھی بھی اپنے کو آمادہ نہ کرسکیں۔ جب بھی کسی نے اس طرح کی کوئی تجویز پیش کی تو انہوں نے یہی کہا کہ اگر لوگوں کو ہماری مدد کرنا ہے تو وہ حسرت کی چھاپی ہوئی کتابیں اور ان کے دواوین خریدیں۔ اس سلسلے میں ''صدر دفتر سنٹرل مسلم بیورو'' کی ایک طویل اپیل قابل ذکر ہے جس میں کہا گیا تھا کہ:

''ہندوستان میں کتنے نفوس ہیں، جو علم بردارِ حریت کی قدر کریں۔ وہ حسرت موہانی...... جس نے حکومت کے جابرانہ اور ناجائز احکام کی تعمیل کرنے سے مردانہ اور انکار کر کے خاموش مقابلے کی راہ میں عملی قدم اٹھا کر قوم کو راہ دکھائی...... جس نے قوم اور ملک (سے) اپنے اصولِ حق پرستی کی کوئی قیمت نہ مانگی — آج سنٹرل بیورو اس قوم پرست کی خدمت کے لیے پرستاران اور مدعیانِ آزادی سے کچھ مانگتا ہے۔ حسرت پر مصیبتوں کا طومار ٹوٹ پڑا۔ حکومت کے تشدد کی وجہ سے قیدِ فرنگ کا سامنا ہوا۔ ان کا کاروبار تباہ ہو گیا۔ اس قید فرنگ ہی کے زمانے میں حسرت کے مکان میں چوروں نے حملہ کیا۔ مگر ان کی صابر و شاکر محترم خاتون نے دستِ سوال

۳۲ کشن پرشاد کول: متذکرہ

دراز کرنا اور اپنی اصول پرستی کا معاوضہ لینا گوارا نہ کیا۔ آج سنٹرل بیورو حسرت کا قرضہ ادا کرنے کے لیے، جو تین ہزار (روپے) سے اوپر ہے، چند ایسے نفوس کی تلاش کرتا ہے جو حسرت کے دیوان حصّہ چہارم کو، جو صرف ان غزلوں پر مشتمل ہے جو میرٹھ اور فیض آباد کی جیلوں میں کہی گئیں، بہ طور تبرک قبول کریں، اور کم از کم تین روپے دینا منظور کریں۔

"......اراکین انجمنِ اعانت نظر بندانِ اسلام دہلی کے بے حد اصرار کے بعد بیگم صاحب حسرت موہانی نے قوم کی طرف سے تین ہزار روپے مولانا حسرت کے قرض کی ادائیگی کے لیے چند شرائط کے ساتھ لینا منظور کیا ہے کیوں کہ ان کی غیور طبیعت یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ وہ اس رقم کو پبلک سے بطور چندہ لیں۔ اس لیے بے حد اصرار کے بعد انہوں نے مولانا حسرت کے دیوان کا چوتھا حصّہ ترتیب دیا اور اس کا حق اشاعت صدر دفتر انجمنِ اعانت نظر بندن اسلام دہلی کو دیا ہے۔ یہ دیوان ان لوگوں کو مفت نذر کیا جائے گا جو کم از کم تین روپے عنایت کریں، جو مولانا حسرت کے قرض کی ادائیگی کے لیے ہوگا۔"[۳۳] اسی طرح کی ایک اور مثال ہمیں ملتی ہے:

"جس زمانے میں مولانا حسرت یرودا جیل (پونا) میں قید تھے، بیگم حسرت اپنی صاحب زادی اور داماد کی معیت میں پونا تشریف لائیں۔ ان دنوں ان کی مالی حالت قدرے سقیم تھی جب پونا کے مسلمانوں کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تو انہوں نے اپنی طرف سے مالی امداد کی پیش کش کی۔ مگر غیور بیگم نے اس کے جواب میں صرف یہ کہا کہ، اگر آپ میرے خاوند کے مدّاح ہیں، تو آپ کو چاہیے کہ ان کی کتابیں خریدیں۔ لیکن میں روپیہ قبول کرنے سے قطعاً معذور ہوں۔"[۳۴]

نشاط النساء کے اسی پر عزم استغنا، نیز ان کے استقلال نے ابتدائی دور ہی میں، عوام

۳۳۔ روزنامہ ہمدم (لکھنؤ): ۱۹/مئی ۱۹۱۸ء: ص ۵

۳۴۔ ضیاء الدین برنی: بیگم حسرت: مشمولہ تذکرہ: ص ۹۵۔۱۹۴

اگر نہیں، تو خواص کے حلقے میں ان کو یقیناً توجہ کا مرکز بنا دیا تھا۔ محمد علی، جو حسرت ہی کی طرح خود بھی نظر بند تھے، بعض آزاد لیڈروں کی روش سے بے زاری و مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے چھند واڑے سے حسرت کو لکھا تھا:

''البتہ جب تمہارا خیال آتا ہے اور تم سے زیادہ بہن (نشاط النساء) کا، جو نہ صرف تمہارے ناموس کو، بلکہ ہم سب کے ناموس کو، اس ہمت و جرأت سے سنبھالے ہیں —— اور صامت و ساکت نہیں بلکہ کلمہ حق کو با آواز بلند سب کو سنا رہی ہیں —— تو بے اعتباری دور ہو جاتی ہے۔'' ۳۵

ایک خط میں انہوں نے خود نشاط النساء کو بھی لکھا تھا:

''بھائی حسرت سے کہہ دیجئے کہ برادرم! باوجود عزم و استقلال کے تمہارا مرتبہ ایک نحیف الجثہ عورت سے کم ہی رہے گا، جس کے سینے میں تم سے بھی بڑا دل موجود ہے اور جس نے تمہاری غیر حاضری میں مسلمانوں کو ہمت و استقلال کا وہ سبق دیا جو تم خود آزاد ہو کر بھی نہ دے سکے، اور جو شاید قید ہو کر بھی نہ دیا، ۳۶

محمد علی ہی نہیں، ان کی والدہ 'بی اماں' کے دل میں بھی نشاط النساء کی جو قدر و منزلت تھی، اس کا اندازہ ان کے ایک خط سے ہوتا ہے، جس میں بر سبیل تذکرہ، مگر بڑے خلوص و پیار کے ساتھ، ان کا نام لیا گیا تھا۔ یہ ایک طویل خط ہے جو ۱۳ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو انگریزی میں الہ آباد کی ایک سیاسی و سماجی کارکن اُمامہر و جھنڈواڑے سے لکھا گیا تھا جہاں علی برادران نظر بند تھے اور بی اماں بھی اپنے بیٹوں کی رفاقت میں وہیں مقیم تھیں۔ ''شوکت علی اینڈ محمد علی'' نامی ایک چھوٹی سی انگریزی کتاب میں یہ خط ملتا ہے اور ''آبادی بانو بیگم (بی اماں) کے ان خطوط پر مشتمل ہے، جو علی برادران کی نظر بندی کے سلسلے میں حکومت کو لکھے گئے تھے۔'' یہ مجموعہ ''مرکزی انجمنِ اعانت اسلام'' دہلی نے شائع کیا تھا، اس انجمن کو ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، اور دوسرے اصحاب نے نظر بندوں کی رہائی کی کوششوں کے سلسلے میں قائم کیا تھا۔ متذکرہ بالا خط بھی جو کسی طرح اس

---

۳۵ محمد علی: بنام حسرت موہانی: نقوش (لاہور): مکاتیب نمبر: ص ۳۳۸

۳۶ بحوالہ احمر لاری: متذکرہ: ص ۱۴۶

مجموعے میں دَر آیا ہے، اس سے نشاط النساء ہی کے سلسلے میں ایک واقعے کی گرہیں بھی کھلتی ہیں۔ اس کے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اخبارات سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ خواتین کا کل ہند وفد جو ۱۸ ماہ رواں (دسمبر) کو مدراس میں وزیر ہند سے ملنے والا ہے، اس میں صوبہ متحدہ کی خواتین کی نمائندگی کیلئے آپ کے اور بہادر پیاری لڑکی نشاط النساء کے علاوہ مجھے نامزد کیا گیا ہے۔ اس کی براہ راست اطلاع اگرچہ اب تک مجھے نہیں ملی ہے، تاہم میرا گمان ہے کہ خبر صحیح ہے۔ کیوں کہ مدراس سے بھی متعدد خطوط میرے پاس آئے ہیں جن میں وہاں کی مسلم لیگ نے اور مسلمانانِ مدراس نے مہمانی کی دعوت دی ہے............'' ۳۷

بی اماں نے تو اسی خط میں پیرانہ سالی اور بعض دوسرے اسباب کے باعث مدراس کا سفر کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی، لیکن نشاط النساء مدراس پہنچی تھیں اور خواتین کے کل ہند وفد کے ساتھ وزیر ہند سے ملی تھیں۔

وزیر ہند لارڈ مانٹیگو کی آمد کا پس منظر یہ تھا کہ ۱۹۱۷ء میں جب پہلی جنگِ عظیم فیصلہ کن دور سے گزر رہی تھی، تو ہندوستان کی سیاسی زندگی بھی ایک نئی کروٹ لینے کے لیے پر تول رہی تھی۔ دوسری طرف جنگ میں ہندوستان سے جو افرادی امداد حکومت کو مل رہی تھی اس میں مزید اضافے کی ضرورت تھی جس کے لیے ہندوستانی لیڈروں کو رام کرنا اور ہندوستانی رائے عامہ کو ہموار کرنا تھا۔ ان ہی ضرورتوں کے پیش نظر وزیر ہند نے ۱۹۱۷ء کے موسم سرما میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ دو باتوں کے علاوہ مجوزہ آئینی اصلاحات کے متعلق ہندوستانی لیڈروں کی توقعات کا اندازہ لگانے کی بھی انہوں نے کوشش کی۔ چنانچہ ہندوستانی سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کے علاوہ ہندوستانی خواتین کے ایک نمائندہ وفد کو بھی ان سے ملنے کی دعوت دی گئی۔

وزیر ہند سے خواتین کے وفد کی ملاقات کا جو ایجنڈا مرتب کیا گیا تھا، اس میں حسرت

---

۳۷ شوکت علی اینڈ محمد علی: ص ۲۷۔ اس کتاب کا خلاصہ اردو میں ''شوکت علی محمد علی صاحبان کی نظر بندی — چند اہم خطوط'' کے نام سے انجمن اعانت نظر بندانِ اسلام ہی نے شائع کیا تھا۔ اِس خط کی تلخیص بھی اس میں ملتی ہے لیکن وہ ٹکڑا اس میں نہیں ہے، جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں نشاط النساء کا ذکر ہے۔

کی نظر بندی و سزا سے متعلق امور پر گفتگو کے شامل ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ تاہم نشاط النساء نے ہمت سے کام لے کر ایک تحریری شکایت نامہ ہی وزیر ہند کے حوالے نہیں کیا، بلکہ حسرت کی داستانِ زندان، بھی انہیں زبانی سنا دی۔ اس وفد کی ایک رکن بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو بھی تھیں۔ انہوں نے پیچھے سے ''چٹکیاں لے لے کر'' نشاط النساء کو روکنا چاہا ''لیکن وہ بالکل نہ رکیں، اور جب تک انہوں نے زبانی بھی حسرت کے بارے میں ساری باتیں کہہ نہ ڈالیں، اس وقت تک دم نہ لیا۔'' ۳۸ؔ

مسز نائیڈو کا یہ بیان نشاط النساء کے مزاج سے جو کلی مطابقت رکھتا ہے، اس سے قطع نظر، نشاط النساء کے مطالعے کے سلسلے میں اس داستان کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ خواتین کے کل ہند وفد میں ان کی شمولیت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ ۱۹۱۷ء میں ملک کی قومی و سیاسی زندگی میں انہیں بھی نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔

احکام نظر بندی کی خلاف ورزی کے جرم میں حسرت کو دو سال کی جو سزا دی گئی تھی، وہ تو ۲۲ رمئی ۱۹۱۸ء کو ختم ہو گئی، لیکن نظر بندی کے سابقہ احکام اپنی جگہ پر بحال رہے، اور حسرت کو آزادی نصیب نہ ہو سکی۔ ۲۲ رمئی کی صبح کو حسرت کے بعض ہمدرد کے علاوہ نشاط النساء اپنی بیٹی نعیمہ کے ساتھ حسرت کے استقبال کے لیے میرٹھ جیل کے پھاٹک پر موجود تھیں۔

> ''لیکن جیل کے اندر ہی مولانا کو حکم نظر بندی سنا دیا گیا۔ چنانچہ جیل سے نکل کر وہ مع اپنی بیگم صاحبہ و صاحبزادی اور ایک عزیز کے بہ سواری تانگہ سیدھے قصبۂ کٹھور ضلع میرٹھ روانہ ہو گئے، جہاں ڈاک بنگلے میں مولانا کے قیام کی (جگہ) تجویز کی گئی ہے'' ۳۹ؔ

۳۸ؔ ضیاء الدین برنی: تذکرہ، ص ۱۹۷

۳۹ؔ ہمدم (لکھنؤ): ۲۹ رمئی ۱۹۱۸ء

ہمدم کے اسی شمارے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر بڑا تکلیف دہ تھا۔ ''معمولی تانگے میں علاوہ اسباب و کوچبان کے چار مسافروں کا گھنٹوں تک بیٹھنا اور ایسی سخت گرمی کے موسم میں اٹھارہ میل کا سفر دھوپ اور لو میں جیسا کچھ تکلیف دہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے......''

کٹھور پہنچنے کے دوسرے ہی دن نشاط النساء علی گڑھ واپس آ گئیں۔ انہوں نے پوری جدوجہد کی، اور اخبارات نے بھی ان کی پرزور تائید کی کہ کٹھور کی جگہ پر علی گڑھ میں حسرت کو نظر بندی کے ایام بسر کرنے کی اجازت دی جائے، لیکن یہ نہ ہو سکا۔ موہان میں قیام کی اجازت تو انہیں مل گئی، لیکن چند روز کے لیے بھی علی گڑھ جانے کی اجازت نہ مل سکی۔

بالآخر ''دسمبر (۱۹۱۸ء) کے دوسرے ہفتے میں'' [۴۰] حسرت کو رہائی نصیب ہوئی اور نظر بندی کے قیود سے انہیں نجات ملی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سیاسی اجتماعات میں حصہ لینا شروع کر دیا، جو ترک موالات اور خلافت کی وسیع تر تحریکوں کے پیش رو تھے۔

چنانچہ رہا ہوتے ہی حسرت نے دہلی کا رخ کیا، [۴۱] جہاں دسمبر کے آخری ہفتے میں کانگریس اور لیگ کے اجلاس منعقد ہونے والے تھے۔

اس دور کا پہلا سب سے بڑا اجتماع دسمبر ۱۹۱۹ء کی آخری اور جنوری ۱۹۲۰ء کی ابتدائی تاریخوں میں جلیاں والا باغ کے شہر امرت سر میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر ملک کے تمام چھوٹے بڑے لیڈر، خصوصاً رہا شدہ لیڈر، کانگریس، خلافت اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ ان میں حسرت بھی تھے ''اور محترمہ نشاط النساء، بیگم حسرت، بھی ان کے ہمراہ تھیں...... [۴۲]''

امرت سر کے بعد دوسرا اور اہم تر سیاسی اجتماع دسمبر ۱۹۲۰ء کے آخری ہفتے میں ناگپور میں ہوا، اور وہاں بھی کانگریس، خلافت اور مسلم لیگ کے اجلاس دوش بدوش ہوئے۔ ناگپور کانگریس کے اسی اجلاس نے ترک موالات کی تحریک منظور کی۔ ''اس میں (بھی) حسرت مرحوم اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ موجود تھے۔'' [۴۳]

۱۹۲۱ء کے دسمبر میں کانگریس، خلافت اور مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس احمد آباد میں

---

[۴۰] حالات حسرت: (عارف ہسوی) شائع کردہ انجمن اعانت نظر بندان اسلام دہلی (۱۳۳۷ھ): ص ۶۵

[۴۱] ایضاً

[۴۲] عبدالمجید سالک: حسرت موہانی: یاران کہن: ص ۲۸۔۱۲۷

[۴۳] سلیمان ندوی: حسرت کی سیاسی زندگی: نگار (لکھنؤ) حسرت نمبر ص ۱۱۹

منعقد ہوئے۔ حسرت کی ذات سے ان تینوں جماعتوں کے اجلاس بڑے ہنگامہ خیز بن گئے تھے۔ کانگریس کے اجلاس میں انہوں نے مطالبہ کیا کہ کانگریس کے دستور میں ترمیم کر کے سوراج کو مکمل آزادی کا ہم معنیٰ قرار دیا جائے۔ خلافت کے اجلاس میں بھی انہوں نے اسی مفہوم کی قرار داد پیش کی۔ مسلم لیگ کے اجلاس کی تو حسرت ہی نے صدارت کی۔ وہاں انہوں نے آزاد سبحانی سے مکمل آزادی کی قرارداد پیش کرائی۔ تینوں جگہ کسی نہ کسی وجہ سے یہ قرارداد منظور نہ ہو سکی۔ ۴۴

اجتماعات احمد آباد کے موقع پر حسرت کے ساتھ نشاط النساء ہی نہیں ان کی صاحبزادی نعیمہ بھی موجود تھیں، اور خلافت نگر میں ان لوگوں نے قیام کیا تھا۔ ۴۵

خلافت اور کانگریس کے اجلاسوں میں حسرت نے جو تقریریں کی تھیں، ان ہی کی بنیاد پر حکومت بمبئی نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۴ (الف) کے تحت ان پر مقدمہ چلایا اور انہیں دو سال کی سزا ہوگئی۔ اور ۱۲۱ کی دفعہ میں کورٹ بمبئی ہائی کورٹ ریفر کیا۔

(دسمبر ۱۹۲۲ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس جب بہار کے مقدس شہر گیا میں منعقد ہوا، تو اس وقت گاندھی جی جیل میں تھے۔ کانگریس کے اس اجلاس پر بھی ان کی عدم موجودگی کے گہرے سائے پڑے۔ ترک موالات کے پروگرام کو ترک کرنے اور اس کی جگہ پر کونسلوں میں جانے کے سوال پر بڑی گرم بحثیں ہوئیں جن میں نشاط النساء نے بھی حصہ لیا۔ حسرت اس وقت جیل میں تھے۔ نشاط النساء نے ان کی نیابت کے فرائض انجام دیے۔ ترک موالات کے پروگرام کو ترک کرنے کی قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

> "مکمل آزادی کے جو لوگ علم بردار ہیں، وہ اس پروگرام کو ترک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ جزوی آزادی پر جو لوگ قناعت کرنا پسند کرتے ہیں، وہ کونسلوں میں جا کر آئینی اصلاحات کی قسطیں وصول کر سکتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ احمد آباد میں کانگریس کے موقع پر حسرت کی پیش کردہ مکمل آزادی کی قرارداد کی مخالفت کرنے کی جو غلطی گاندھی جی

---

۴۴ انڈین اینول رجسٹر: ۱۹۲۱: جلد دوم ۵۵ تا ۶۲ ۸،۷، ۳۴، ۳۳

۴۵ داؤد سندیلوی: "مولانا محمد علی چند فراموش کردہ یادیں۔"

قومی آواز (لکھنؤ): ۲۴ فروری ۱۹۸۰ء

نے کی تھی، آج داخلہ کونسلوں کے حامیوں کا زور اسی کے ردعمل کا نتیجہ ہے۔"۴۶

کانگریس کے اجلاس میں کسی مسلم خاتون کی غالباً یہی پہلی تقریر تھی۔

نشاط النساء کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری قید کے دوران میں حسرت کو اخبارات ورسائل کے علاوہ باہر سے کتابیں منگانے کی اور لکھنے پڑھنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔ یہ رعایت تیسری قید کے دوران میں کم از کم کتابیں منگانے اور لکھنے پڑھنے کی حد تک بحال رہی تھی۔ لیکن ان کے لکھے ہوئے خطوط حسرت کو ملتے نہیں تھے۔ چنانچہ پونا کے دورانِ قیام میں حکومت بمبئی کے ہوم ڈپارٹمنٹ سے وابستہ تھے، اور ان ہی کے معائنے کے بعد حسرت کو کتابیں دی جاتی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن نشاط النساء سے انہوں نے سوال کیا کہ

"کتابوں کے حاشیوں پر خط کا مضمون آپ کیوں لکھ دیا کرتی ہیں؟

"نہ تو میرا کوئی خط ہی مولانا تک پہنچتا ہے" انہوں نے جواب دیا "اور نہ مجھے ملاقات ہی کی اجازت ملتی ہے۔ اس لیے خطوں کی باتیں کتابوں کے حاشیوں پر لکھ کر بھیجتی ہوں۔"۴۷

یرودا جیل میں حسرت کی قید کے زمانے میں نشاط النساء بیٹی اور داماد کو ساتھ لے کر زیادہ تر پونا ہی میں مقیم رہیں۔ حسرت کی دوسری قید کے دوران میں بھی نشاط النساء کا یہی دستور رہا تھا کہ وہ اپنا زیادہ تر وقت اسی شہر میں گزارتیں جہاں حسرت قید ہوتے۔ پونا سے انہوں نے جو خطوط لکھے تھے، ان میں سے بعض کی پیشانی پر "از بنگلہ سیٹھ چھوٹانی" نظر آتا ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ پونا میں سیٹھ چھوٹانی ہی کے بنگلے میں بہ طور مہمان رہی تھیں۔ لیکن اس سلسلے میں ضیاء الدین برنی ہی کا یہ بیان قابل ذکر ہے کہ "پونا میں جب تک رہیں، وہ آپ اپنی کفیل رہیں، اور اس بارے میں انہوں نے کسی کا احسان لینا قبول نہ کیا"۴۸

اپنی تیسری میعادِ قید پوری کرنے کے بعد ۱۱ راگست ۱۹۲۴ء کو حسرت یرودا جیل سے رہا

---

۴۶ انڈین اینول رجسٹر: ۲۳-۱۹۲۲ء، جلد اول، ص (۹) ۸۷۲

۴۷ ضیاء الدین برنی: متذکرہ، ص ۱۹۵

۴۸ ایضاً

ہوئے، ۴۹ ؎ اور ان کی آخری جیل یاترا ختم ہوئی۔ رہا ہوتے ہی انہوں نے سیاسی سرگرمیاں شروع کردیں۔ رہائی کے چار ماہ بعد بلگام کے مقام پر کانگریس کا اجلاس ہوا، جس میں انہوں نے شرکت ہی نہیں کی بلکہ اجلاس کی کارروائی میں حصّہ بھی لیا۔ انہوں نے ''ترکِ موالات کی تحریک کو ترک کرنے کی قرارداد کی مخالفت کی۔'' ۵۰ ؎

۱۹۲۵ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس کان پور ہی میں ہوا، جسے اب حسرت نے اپنا مستقر بنالیا تھا۔ ۱۰ر اگست کو اس اجلاس کی مجلس استقبالیہ کا جو جلسہ ہوا اس میں ''مولانا حسرت موہانی بھی موجود تھے۔'' ۵۱ ؎ اور پھر اُس اجلاس کی کارروائی میں بھی انہوں نے پوری سرگرمی سے حصّہ لیا۔۔۔

اس موقع پر انہوں نے اس قرارداد کی مخالفت کی جس میں کھدر کا استعمال کانگریس کے ممبروں کے لیے لازمی قرار دیا گیا تھا۔ مولانا حسرت موہانی نے رزولیشن کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات پر اعتراض کیا کہ کانگریس کا کام کرنے کے لیے کھدر کے لباس پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے.........'' ۵۲ ؎

یروداجیل سے حسرت کی رہائی کے بعد کانگریس کے یکے بعد دیگرے دو سالانہ اجلاس ہوئے۔ ایک بلگام میں اور دوسرا کان پور میں۔ ان اجلاسوں میں نشاط النساء کی موجودگی کی ہمیں کوئی شہادت نہیں ملتی۔ گمانِ غالب ہے کہ کم از کم کان پور کے اجلاس میں تو وہ ضرور شریک ہوئی ہوں گی۔

کان پور کے اجلاس کے سلسلے میں تو حسرت کے ساتھ نشاط النساء کا نام بھی ایک قصے میں اس طرح جوڑ دیا گیا جیسے وہی اس داستان کی اصلی کردار ہوں، اگرچہ اس سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس داستان کو بلا تحقیق کی کسوٹی پر کسے ہوئے، ڈاکٹر احمر لاری نے مولانا جمال میاں فرنگی محلی کے مقدمہ ٔکلیاتِ حسرت سے اخذ کر کے اپنے تحقیقی مقالے میں شامل کرلیا۔ ان کا بیان ہے کہ:

''۱۹۲۵ء میں کانگریس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر بیگم حسرت نے

---

۴۹ ؎ ہمدم (لکھنؤ): ۱۴ر اگست ۱۹۲۴ء، ص ۴

۵۰ ؎ انڈین کوارٹرلی رجسٹر: جلد دوم: جولائی۔ دسمبر ۱۹۲۴ء ص ۱۹

۵۱ ؎ ہمدم (لکھنؤ): ۱۳ر اگست ۱۹۲۴ء، ص ۵

۵۲ ؎ ایضاً: ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۵ء، ص ۵

حسرت کے ساتھ مزدوروں کے ایک جلسوس کی قیادت کی تھی، اور جلوس کے رُوکے جانے پر پنڈت جواہر لال نہرو کے منہ پر طمانچہ مارا تھا۔'' ۵۳؎

اس قصے کے ایک عینی شاہد چودھری خلیق الزماں بھی تھے، جنہوں نے اس ڈرامے میں حصہ بھی لیا تھا۔ انہوں نے یہ قصہ اپنی کتاب پاتھ وے ٹو پاکستان میں تفصیل سے قلم بند کیا ہے، لیکن اس میں نشاط النساء کا کہیں نام نظر نہیں آتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

''بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں کانگریس کا اجلاس کان پور میں شروع ہوا۔ ممبر اپنی اپنی جگہ پر ابھی بیٹھے ہی تھے کہ پنڈت جواہر لال نے میرے کان میں کہا کہ مولانا حسرت موہانی مزدوروں کے ایک گروہ کی قیادت کر رہے ہیں، جو کانگریس کے لیڈروں کے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے کے لیے زبردستی پنڈال میں گھس آنا چاہتا ہے۔ انہیں پھاٹک پر روکا گیا ہے۔ وہ پھاٹک توڑنے کے دھمکی دے رہے ہیں۔ جواہر لال، میں اور عزیز انصاری یہ دیکھنے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ باہر کیا ہو رہا ہے کہ پھاٹک ٹوٹ گیا اور بہت سے مزدور لیڈر اندر گھس آئے۔ عزیم انصاری کے ہاتھ پر ایک ڈنڈا لگا اور میری گردن پر گھونسہ۔ میں جب تک سنبھلوں سنبھلوں مولانا حسرت پنڈال کے اندر پہنچ کر صدر سے گفتگو میں مشغول تھے۔ بہر کیف معاملہ خیر و خوبی سے طے ہو گیا اور مولانا مطمئن ہو گئے۔'' ۵۴؎

یہی باتیں خلیق الزماں نے اپنی اردو کتاب میں بھی دہرائی ہیں، ۵۵؎ اور وہ بھی نشاط النساء کے ذکر سے یک سر خالی ہے۔ وہ اپنے گھونسہ کھانے اور عزیز انصاری کے ڈنڈا لگنے کا ذکر کر سکتے تھے، تو جواہر لال نہرو کے طمانچہ کھانے کا ذکر کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہو سکتا تھا۔

ناانصافی ہوگی اگر یہ نہ لکھا جائے کہ مزدوروں کے مظاہرہ میں حسرت کے ساتھ نشاط النساء کی موجودگی کی داستان راقم نے بھی سنی تھی، اور یہ قصۂ مولانا جمال میاں کے 'مقدمۂ کلیات

۵۳؎ احمر لاری: متذکرہ: ص ۱۴۴

۵۴؎ خلیق الزمان: پاتھ وے ٹو پاکستان: ص ۵۵-۵۴

۵۵؎ خلیق الزماں: شاہراہ پاکستان: ص ۵۵-۵۴

حسرت' کی اشاعت سے بہت پہلے کا ہے اس لیے ان کو اس داستان کا مصنف گردانا ان کے ساتھ نا انصافی ہوگی۔ راقم ہی کی طرح انہوں نے بھی اسے سنا ہوگا۔ چوں کہ نشاط النساء کے جوش عمل سے یہ قصہ کچھ مناسبت رکھتا ہے اور حسرت کے ساتھ ان کی انتہائی رفاقت کا بھی اچھا ثبوت فراہم کرتا ہے اس لیے انہوں نے اسے باور کر کے نشاط النساء کی داستانِ حیات کا جزو بنا دیا۔

نشاط النساء کی جرأت و ہمت کی صفات اور ان کی کارکردگی کی اہلیت وصلاحیت سے قطع نظر، بنیادی طور پر وہ گھریلو قسم کی ہندوستانی خاتون تھیں، رابعہ بیگم نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''یہ دیہاتی ماحول کی پلی ہوئی لڑکی نہایت جری با حوصلہ اور ہر طرح حسرت کی رفاقت کے لیے موزوں تھی...... شادی کے بعد عام طور پر علی گڑھ میں قیام رہتا تھا۔ پھر جب کاروبار کے سلسلے میں حسرت نے کان پور کو اپنا مستقر بنالیا تو پھر بیگم حسرت بھی داہیں آ گئیں۔ حسرت نے مالی اعتبار سے کبھی بھی کسی قسم کی فراغت و اطمینان کو محسوس نہیں کیا۔ بیگم حسرت بھی ہمیشہ دولت اور عیش و آرام سے محروم رہیں، لیکن کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں آیا۔ ہر کٹھن موقع پر وہ حسرت کی رفاقت کے لیے آمادہ رہا کرتی تھیں۔ حسرت کو ہمیشہ ان کی رفاقت پر فخر رہا ہے......
>
> ''حسرت نے اپنی رفیقۂ حیات کے انتقال پر بہت سے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے شعر لکھے ہیں۔ ایک زمانے تک وہ کسی محفلِ شعر و سخن میں شریک نہ ہوئے۔ [۵۶]

شوہر پرستی کی ہندوستانی روایت نشاط النساء کو ورثے میں ملی تھی جسے انہوں نے سینے ہی سے لگا کر نہیں رکھا، بلکہ اسے آگے بڑھایا۔

شوہر پرستی کی ہندوستانی روایت ہی نے ان کو سیاست کے میدان میں لا کھڑا کیا تھا۔ چنانچہ ان کے سیاسی جذبۂ عمل میں جوش اسی وقت آتا تھا جب حسرت قید و بند کی زندگی سے دوچار ہوتے تھے، اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حسرت کے آلام و مصائب کو کم کرنے کے لیے وہ تن، من، دھن کی بازی لگا دیتی تھیں۔ خواجہ حسن نظامی نے نشاط النساء کو ''مشاہیر ہند'' میں شمار

---

۵۶ رابعہ بیگم: متذکرہ ص ۹۸، ۹۹

کرتے ہوئے، ۱۹۲۳ء میں لکھا تھا اور غلط نہیں لکھا تھا کہ:

"حسرت کی بیوی مسلمانان ہند کی عورتوں میں بڑی وفا شعار اور شوہر پرست عورت ہے۔ ایام بلا میں ایسی وفا شعاری اس عورت سے ظاہر ہوئی، جیسی سیتا جی نے رام چندر جی کے ساتھ کی تھی۔" ۵۷

حسرت کے ایام بلایا ان کے قید و بند کی زندگی کا دور ختم ہوا تو نشاط النساء بھی اپنی گھریلو زندگی کے خول میں واپس چلی گئیں اور اپنی بقیہ زندگی کے کم و بیش دس سال اسی خول میں بسر کیے۔

حسرت موہانی کی پہلی سوانح عمری — 'حالاتِ حسرت' — کے مصنف کا یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے کہ:

"مولانا کی لائف حقیقتاً اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ بیگم صاحبہ حسرت کے حالات و واقعات شامل نہ کیے جائیں۔ کیوں کہ بیگم صاحبہ مولانا کی زندگی کی ہر طرح نزدیک ہیں اور مولانا کے کاروبارِ قومی میں ہمیشہ معین و معاون رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر بیگم صاحبہ کی مستقل مزاجی اور مولانا کے ساتھ ان کی ہم خیالی شریکِ حال نہ ہوتی تو مولانا حسرت اس قدر عزم و ثبات کا شاید ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہتے۔

"افسوس ہے کہ تفصیل کے ساتھ بیگم صاحبہ کی وہ خدمات نہیں درج کر سکتے جو وقتاً فوقتاً بیگم صاحبہ نے انجام دیں اور حسرت کی قوت ایمانی میں اضافہ کیا" ۵۸

حسرت نے بیوی کی وفات کے بعد "بیگم حسرت" کے عنوان سے اردوئے معلیٰ میں جو مقالہ شائع کیا تھا، نامناسب نہ ہوگا کہ نشاط النساء کی پیش نظر و نسانِ حیات کو حسرت کے اسی مقالے کے مندرجہ ذیل اقتباس پر ختم کیا جائے۔

۱۸/ اپریل ۱۹۳۷ء مطابق ۲۵/ محرم ۱۳۵۵ھ ٹھیک گیارہ بجے دن کے وقت بیگم حسرت مکروہاتِ دنیا سے آزاد ہو کر، باطمینان تمام واصل بحق ہو گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

---

۵۷ خواجہ حسن نظامی: درویش جنتری ۱۹۲۳: بحوالہ احمر لاری: متذکرہ: ص ۱۴۷-۱۴۶

۵۸ حالات حسرت: متذکرہ: ص ۶۵، ۶۶

سلسلۂ علالت

سلسلۂ علالت کئی سال سے جاری تھا۔ سال بھر برابر بیمار رہتی تھیں، لیکن موسمِ حج کے قریب اس قدر صحت حاصل کر لیتی تھیں کہ حج کے لیے میرے ساتھ جانے میں بظاہر کوئی دشواری نظر نہ آتی تھی۔ چار سال یہی حال رہا۔ آخری بار ۵۴ھ (۱۹۳۶ء) میں براہِ عراق سفرِ حج کے وقت البتہ وہ اس قدر کمزور اور بیمار تھیں کہ ان کو ساتھ لے جانے کی ہمت نہ ہوئی تھی، مگر ان کی دل شکنی اور مایوسی کا خیال بھی سوہانِ رُوح تھا۔ مجبوراً مجھ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ بصرہ تک جہاز اور وہاں سے بغداد تک ریل میں جانا چونکہ نسبتاً آسان ہے اس لیے ان کو وہیں چھوڑوں گا اور خود صحرائے عرب کے (۱۴۰۰) میل موٹر میں طے کر کے مدینہ اور مدینہ سے مکّہ ہو کر پھر اسی راہ سے واپس آؤں گا اور بغداد سے انہیں ساتھ لے لوں گا۔

اس تجویز کو انہوں نے سنا اور کچھ نہ کہا۔ ساتھ ہو لیں مگر بغداد پہنچ کر اپنے جدّ امجد حضرت موسیٰ کاظم کے رُو برو اپنے اللہ سے دعا کی کہ زیارتِ روضہ رسولؐ اور حج سے محروم نہ ہوں۔ اس دعا نے تریاقِ مجرّب کا کام کیا اور انہوں نے باوجود علالت و نفاست تمام ارکان حج بخوبی ادا کیے اور دوبار مدینے اور دو ہی بار نجف و کربلا میں حاضری دے کر صحیح و سلامت کان پور پہنچ گئیں۔ مگر بصرہ سے کراچی پہنچتے پہنچتے علالت پھر نمودار ہو گئی جس کی روز افروز تکلیفیں آخر کار ان کی جان ہی لے کر گئیں۔ ریڑھ کی ہڈی میں کچھ خرابی ایسی پیدا ہو گئی تھی جو ڈاکٹروں کی رائے میں لاعلاج ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے ان کے جسم کا نصف حصّہ اسفل کئی ماہ سے بالکل بے حس ہو گیا تھا اور پلنگ پر پڑے پڑے کئی زخم نہایت درجہ تکلیف دِہ پیدا ہو گئے تھے۔ پسلیوں میں بھی شدید درد رہنے لگا تھا مگر ان کی زبان سے اس کے سوا کہ ''جو اللہ کی مرضی'' اور ''جو اس کی مصلحت کا تقاضا۔'' کسی نے کبھی حرف شکایت نہ سنا۔ کبھی کبھی اتنا البتہ کہتی تھیں کہ جب بیماری اتنی شدّت تکلیف کی ہے تو افتراقِ جسم و روح کے وقت کیا حال ہو گا......

صفات عالیہ

خدا گواہ کہ راقم کے اس قول میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ ایثار و انکسار، حیا و غیرت،

محبت و مروّت، فہم و فراست، جرأت و صداقت، عزم و ہمت، وفا و سخا، حسنِ عقیدت، صدقِ نیت و خلوصِ عبادت، حسن خلق، صحتِ مذاق، پاکی و پاکیزگی، صبر و استقلال اور سب سے بڑھ کر عشق رسول اور محبت حضرت حق کے لحاظ سے شاید مسلمان عورتوں بلکہ مردوں میں بھی آج ہندوستان میں کم ایسے افراد ہوں گے جن کو ہم بیگم حسرت سے بہتر تو کیا ان کے برابر بھی قرار دے سکیں۔ ان تمام باتوں کی تفصیل ایک جداگانہ تصنیف کی طالب ہے، لاریب ؎

ایں سعادت بز درِ باز و نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حسرت کی زجر و توبیخ

راقم کو بیگم حسرت کی جدائی سب سے زیادہ اس خیال سے شاق ہے کہ اب کوئی اس کی کوتاہیوں پر ملامت کرنے والا اور اس کی خامیوں پر زجر و توبیخ کرنے والا نہ رہا۔ ظاہری تعلیم کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں بیگم اس سے بدرجہا بہتر تھیں، اس لیے انہیں ہر قسم کی تنبیہہ کا حق تھا جس کا اثر بھی خاطر خواہ ہوتا تھا۔

آخری کوتاہی اور اس کی تنبیہہ

افسوس کہ گذشتہ چند ماہ کے دوران میں مجھ سے بعض خانگی امور میں بالکل نادانستہ طور پر چند ایسی کوتاہیاں ظاہر ہوئیں جن کی بنا پر انہیں اپنے لیے میری جانب سے بے رخی و کم التفاتی کا گمان پیدا ہو گیا اور اس کا انہیں بہت صدمہ ہوا بعد میں اگرچہ اپنی فطری نیک نیتی اور عالی حوصلگی کی بنا پر انہوں نے میری معذرت کو صحیح تسلیم کر کے اپنے دل کو صاف کر لیا تھا مگر مجھ کو برابر پاداش عمل کا خطرہ لگا رہتا تھا جس کا اظہار میں نے اپنی آخری غزل میں بایں الفاظ کیا تھا۔

چھوڑ کر وہ چل نہ دیں آخرز راہِ انتقام
مجھ کو تنہا رات دن آنسو بہانے کے لیے

افسوس کہ جس بات کا ڈر تھا آخر وہی سامنے آئی اور ہمیشہ کے لیے مجھ کو مغموم و محروم بنا گئی۔ [59]

☆☆

[59] اردوئے معلیٰ: مئی، جون ۱۹۳۷ء

بیگم حسرت موہانی کے خطوط

پہلے حصّے کے خطوط

اپریل ۱۹۱۶ء تا جون ۱۹۱۸ء

[از علی گڑھ] ۱۴/اپریل ۱۶ء

بخدمت شریف جناب حضرت صاحب قبلہ

تسلیم فدویانہ قبول فرمایئے۔

میں نہایت رنج کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ کل دوپہر کو یکایک پولیس نے حسرت کو گرفتار کر کے جیل میں بھیج دیا۔ بعد کو مکان و دوکان کی تلاشی ہوئی۔ لیکن اللہ کے فضل سے کچھ تھا ہی نہیں، کیا نکلتا۔ پھر بھی وہ بہت سے ردّی خطوط مکان سے، دوکان سے، اسی قسم کے تجارتی کاغذات، کچھ معمولی تصویریں محمد علی کی، آزاد کی، انور پاشا کی [لے گئے] میرے پاس تصویریں بہت تھیں۔ ایسی وہ بھی بہتر [یا] کوئی خصوصیت نہ تھی [ان میں جو وہ لے گئے] خیر اب یہ نہیں معلوم کہ گرفتاری کس وجہ سے ہوئی۔ آیا نظر بند ہیں، یا کوئی خدانخواستہ

ا یہ خبر اخبارات میں بھی شائع ہوئی:

۱۳/اپریل ۱۹۱۶ء کو بوقت دوپہر سپرنٹنڈنٹ پولیس علی گڑھ جن کے ہمراہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ، کوتوال، کورٹ انسپکٹر اور دیگر پولیس مین تھے مسٹر فضل الحسن موہانی کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کی دوکان اور مکان کی تلاشی ہوئی...... مسٹر حسرت موہانی فوراً جیل پہنچا دیئے گئے۔ وہاں پر آپ کو ایک علاحدہ کمرہ دیا گیا اور بستر و پلنگ بھی ملا ہے۔ اہل و عیال کو ان سے ملنے کی اجازت ہے کھانا بھی گھر سے بھیجا جاسکتا ہے......"

ہفت روزہ مدینہ (بجنور): یکم مئی ۱۹۶۱ء

مقدمہ ہوگا یا کیا، کچھ نہیں معلوم۔ طبیعت حد درجہ پریشان [ہے] خدا کے سوا کوئی مدد گار نہیں۔ دوکان کی [جو] مالی حالت ہے وہ ظاہر ہے۔

افواہیں طرح طرح کی سننے میں آتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ لکھنؤ کے جلسے [کے سلسلے] میں ڈاکٹر ضیاء الدین کی شرارت ہے۔ ؎ انہوں نے گرفتار کرادیا۔ کوئی کچھ [کہتا ہے] کوئی کچھ۔ بہر حال دیکھیے خدا کیا دکھاتا ہے۔

حضرت کی دعا سے ہم لوگوں کا بیڑا پار ہے کیوں کہ حضرت کے سوا ایسی مصیبت کے وقت خدا سے اور کون دعا ہمارے لیے کرسکتا ہے۔

میرے پہلے عریضے کا حضرت نے جواب نہیں تحریر فرمایا امید ہے کہ اگر آپ کو کوئی واقعات نئے معلوم ہوں تو اس عاجز کو مطلع کیجیے گا۔

میں روز حسرت سے جیل میں ملنے جاتی ہوں۔ کچھ دیر تک مختلف بات چیت کر کے واپس آتی ہوں۔

دعا کیجیے کہ حسرت بخیر و عافیت رہا ہو جائیں۔ اگر تحفظِ ہند کی وجہ سے نظر بند کیے گئے ہیں تو اور لوگوں کی طرح سے اُن سے بھی وہی سلوک کرنا چاہیے تھا۔ مگر خدا معلوم اس کی کیا مصلحت ہے۔ بہت طبیعت متوحش ہے۔ فرمایئے میں کیا کروں۔ حسرت کو پالیٹکس سے بھی اب کوئی سروکار نہیں رہا نہ کہیں باہر آتے جاتے ہیں [اگر جاتے ہیں تو] محض دوکان کی مالی حالت درست کرنے کے لیے۔ لیکن گورنمنٹ کو معلوم نہیں کیا شبہ پیدا ہوا، کیا بات ہوئی میں امید کرتی ہوں کہ حضرت، بہت جلد عنایت نامے سے سرفراز فرمائیں گے۔ فقط

والدہ نعیمہ

[مولانا عبدالباری کے جواب کا اقتباس]:

مولوی فضل الحسن کا واقعہ مسموع ہوا تھا، تمہارے خط سے اس کی تصدیق ہوئی واللہ معکم اینما کنتم قل لن یصبنا الاما کتب اللہ لنا ھو مولانا وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون '

؎ مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے اس جلسے کی طرف اشارہ ہے جو ۱۰ر اپریل کو لکھنؤ میں ہوا تھا اور حسرت نے اس میں شرکت کی تھی۔

تمہارے پہلے خط کے جواب میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ خیال تھا[کہ فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسے سے واپسی پر] مولوی فضل الحسن خود خیریت زبانی کہہ دیں گے.........

۲

از علی گڑھ

۱۹راپریل ۱۶ء

حضرت صاحب قبلہ

تسلیم فدویانہ قبول فرمائیے۔

سخت افسوس ہے! کہ آج میں حسبِ معمول صبح کو حسرت سے ملنے جیل گئی۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہ سات بجے صبح کو کہیں باہر خفیہ طور پر بھیج دیے گئے۔[کہاں بھیجے گئے، یہ] ابھی نہیں بتایا جائے گا، کل بتایا جائے گا۔

دیکھیے خدا پر بھروسہ ہے۔ معلوم نہیں کیا مقدّس ہے اور اس سے زیادہ کیا عرض کروں دعا فرمائیے، خیریت سے ہوں۔ شاید نظر بند کر دیے گئے۔ دیکھیے بے قصور غریب کو سزا ملی ہے۔ افسوس!

میری پریشانی کی جو کیفیت ہے خدا خوب جانتا ہے۔ فقط

خاکسار فدویہ والدہ نعیمہ

[مولانا عبدالباری کے جواب کا اقتباس]

تمہاری پریشانی میں از حد متفکر ہوں ۔ ابھی تک یہ نہ معلوم ہوا کہ بے چارے فضل الحسن نے کیا کیا[ہے، جو وہ گرفتار ہوئے]۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی مدد شامل رہے۔ حالتِ اضطرار میں خدا کا بندہ خدا کو نہ بھولے......

۳

۲۲راپریل۔[۱۹۱۶ء]

حضرت صاحب قبلہ دام اقبالہٗ

تسلیم فدویانہ کے بعد عرض یہ ہے کہ سات روز تک وہ جیل میں رکھے گئے۔ ۱۹رکو

حسبِ معمول صبح کو میں ملنے گئی۔ معلوم ہوا کہ وہ کہیں موٹر میں بیٹھ کے گئے۔ بہت پوچھا، سپرنٹنڈنٹ سے پوچھا، کسی نے نہ بتایا کہ کہاں گئے۔ دوسرے روز کلکٹر سے دریافت کیا [تو] معلوم ہوا کہ وہ للت پور بھیج دیے گئے۔ اب وہیں رکھے جائیں گے۔[3] میں نے خط وغیرہ کے لیے پوچھا۔ کہا، اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے [فقط]

والدہ نعیمہ

۴

۲۳ر اپریل [۱۹۱۶ء]

جناب حضرت صاحب قبلہ تسلیم فدویانہ قبول فرمائیے

کل جناب کی خدمت میں عریضہ ارسال کرنے کے بعد شام کو حضرت کا گرامی نامہ موصول ہوا مجھے خود بھی آپ کے انتظار کا خیال تھا مگر مجھے دیر اس لیے ہوئی کہ کوئی نئی بات معلوم ہوتو عرض کروں۔ مبین الحسن[4] آویں تب کچھ معلوم ہو۔ میرے عریضے کا جواب امید ہے جلد عنایت فرمائیے گا۔ حسرت کو کیا کرنا چاہیے؟ للت پور میں بے جرم، بے خطا رہنا چاہیے یا خدانخواستہ جیل میں زندگی گزارنا چاہیے؟ بہر حال پریشانی ہے اور میں ہوں، خدا پر بھروسہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ دعا فرمائیے حسرت کو اِس بلائے بے درماں سے نجات ملے۔ خیریت سے گھر آئیں۔

فرمائیے میں اب کیا کروں۔ سخت پریشان ہوں۔ باقی خیریت ہے۔ نعیمہ کو بخار ہے میں بھی عرصے سے بیمار ہوں۔ خدا حسرت کی مجبوریوں کو دور فرمائے۔ آمین

[فقط والدۂ نعیمہ]

---

[3] ہندوستانی (لکھنؤ) رقم طراز ہے کہ مسز حسرت موہانی کی ایک تحریر سے...... معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فضل الحسن حسرت موہانی کو للت پور [میں] نظر بند رہنے کا حکم دیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ آج حسرت کا خط آیا ہے ان کا مستقل ارادہ ہے کہ ایسے حکم کی تعمیل سے جو بغیر اظہارِ جرم و موقع تردید سزا دیتا ہے، انکار کریں گے۔

مدینہ: ۱۵ر مئی ۱۹۱۶ء

[4] حسرت موہانی کے پیروکار

۵

۲۵؍اپریل ۱۶ء
ازعلی گڑھ

حضرت صاحب قبلہ، تسلیم فدویانہ قبول کیجیے
مبین الحسن حسرت کے پاس سے شب کو آئے۔ حسرت کے حالات سے آگاہی ہوئی۔ کل سے سلسلہ وار سورۂ انفال کی آتیوں پر عمل ہے۔ ان آیتوں کا درد اس لیے جاری ہے، کیوں کہ کل شب میں نے قرآن شریف کھولا تو میری نظر سے وہی سورتیں گزریں۔ [فقط]
والدۂ نعیمہ

۶

۲۷؍اپریل، ازعلی گڑھ

بہ عالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالئے
تسلیم فدویانہ قبول فرمایئے۔ کل بھی جناب کا ایک گرامی نامہ ہمت افزا ملا۔ دل کو بہت تسکین ہوئی۔ اور آج بھی جناب کا ایک گرامی نامہ درود فرما کر باعثِ تسلی ہوا۔ میں نے کل حسب ارشاد حسرت کو خط کلکٹر کے ذریعے روانہ کیا ہے کیوں کہ میرے کئی خطوں کا جواب نہیں آیا اور تاکید لکھی ہے کہ شرعاً جو بات [جائز] ہے اس کو اختیار کرو۔ دیکھیے ان کے اس بڑھے ہوئے جوش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ خدا رحم کرنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ آج حسرت کا بھی خط آیا لکھا ہے کہ ’’حکم آیا کہ ان کو قید سے آزاد کردو۔ چنانچہ میں شہر میں ہوں اور درخواست دی ہے کہ مزید غور کرنے کے لیے اگر گورنمنٹ مجھ کو مہلت دے تو اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مجھ کو وہ لکھنؤ یا الہ آباد دو ایک روز کے لیے بھیج دے۔ میں وہاں اپنے دوستوں اور قانونی مشیروں کی رائے حاصل کرسکوں۔ اگر یہ درخواست منظور ہوگئی تو شاید کوئی صورت فیصلے کی نکل آئے۔ اگر منظور نہ ہوگی تو یقیناً پھر مقدمہ حکم عدولی چلایا جائے گا۔ تب تک میں یہاں کے مجسٹریٹ کی رعایت سے آزاد ہوں گا۔ اگر موافق جواب نہ آئے گا تو [نظر بندی کا حکم ماننے سے] انکار تو کر ہی چکا ہوں۔‘‘

[حسرت سے مل کر] مبین الحسن واپس آئے۔ حال معلوم ہوا۔ اور ایک خط میرے نام لکھا تھا۔ اس میں [قرآن مجید] کی سورتیں ہیں وہ نہیں آیا۔

کل محمد علی صاحب کا بھی خط [چھندواڑے سے] آیا۔ اُن لوگوں کی بھی یہی رائے ہے۔ حسرت خدا کرے راضی ہو جائیں ورنہ مصیبت تو ہئی ہے۔

نعیمہ کو بخار ہے۔ میں بھی بیمار ہوں اور کیا عرض کروں۔ فقط

خاکسار والدۂ نعیمہ

۷

۲۹/اپریل ۱۶ء

بہ خدمت شریف جناب حضرت صاحب قبلہ

تسلیم فدویانہ قبول فرمائیے۔ آج آپ کا گرامی نامہ ملا۔ کل حسرت کے دو خط اور آئے ایک لفافہ ہے جس رَ کے نہ ملنے کا ناذکر میں نے کیا تھا۔ لکھا ہے کہ مولوی عبدالباری صاحب قبلہ کو میرا خط بھیج دو اور سلام لکھو۔ لہٰذا اس کی نقل ضروری مرسل ہے۔ یہ ۲۶/اپریل کا لکھا ہوا ہے۔

"تم نے لکھا کہ نظر بندی کو قبول کر لینا چاہیے۔ بہ ظاہر یہی اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن میں نے قرآن مجید سے ہدایت طلب کی تو اتفاق سے سورۂ انفال کی تلاوت کا سب سے پہلے اتفاق ہوا۔ اس سورۂ کے پڑھنے کے بعد میرا دل مضبوط ہو گیا اور میں نے عہد کر لیا کہ ظلم کے سامنے عاجزی سے کبھی سر نہ جھکاؤں گا۔ کیونکہ ایسا کرنا گویا ظلم کی تائید کرنا ہے اور یہ بجائے خود ایک گناہ ہے۔ آخر میں چند آیتیں اسی سورۃ کی نقل کرتا ہوں تم ان کو قرآن میں دیکھنا اور ان کا ترجمہ خود دیکھا۔ اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے دل سے بھی وسوسہ جاتا رہے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ انشاء اللہ آخر میں ہم کو کامیابی نصیب ہوگی۔

"نقل آیات قرآنی [سورۂ انفال] پارہ نہم

ا۔ کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من

المومنین لکارھون

۲۔وما النصر الامن عند الله ان الله عزیز حکیم.

۳۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذالقیتم الذین کفروا زَحفاً فلا تو لو هم الاد بار.

۴۔واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنة وان الله عنده اجر عظیم

۵۔واز یمکربک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک وَ یمکرون وَ یمکر الله، وا الله خیر الماکرین.

۶۔واذیرکموھم اذالتقیتم فی اعینکم قلیلا ویقلّلکم فی اعینهم لیقضی الله امراً کان مفعولاً وَالی الله ترجع الامرر.

۷۔ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا انّهم لا یعجزون ہ وَاعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباطِ الخیل ترهبون به عدوالله وعدو کم

۸۔ وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الاعلیٰ قومٍ بینکم وبینهم میثاق .

۹۔ والذین اٰمنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله والذین اٰووا و نصروا اُولٰئک هم المؤمنین حقاً.

[یہ آیات] نہایت اہم اور میرے حسب حال ہیں۔

”اب اپنے معاملے کی نسبت معلوکرو [کیوں] کہ میں ہرگز ہرگز گورنمنٹ کے حکم کی تعمیل نہ کروں گا۔ مقدمہ ہونے دو۔ انشاءاللہ تعالیٰ میں خوب خوب جواب دوں گا۔ اس کے بعد اگر قید ہی ہوتا ہے تو کچھ مضایقہ نہیں۔ افوض امری الی الله، والله علیٰ کل شیٔ قدیر ۔میں نے چونکہ حکم سے انکار علی گڑھ ہی میں کردیا تھا، اس لیے مقدمہ غالباً وہیں ہوگا۔ دو چارروز میں اس کے متعلق جواب آجائے گا اس وقت حال معلوم ہوگا۔

میں نے [للت پور آتے ہوئے] ایک غزل راہ میں لکھی تھی اس کی نقل تم کو بھیجتا ہوں۔

سر یہ حاضر ہے جو ارشاد ہو مرجانے کو
کون ٹالے گا بھلا آپ کے فرمانے کو

دانشِ بخت ہے بے دانشیِ شوق کا نام
لوگ دیوانہ نہ سمجھیں ترے دیوانے کو

بھول جاؤں میں انہیں ہو نہیں سکتا ناصح
"آگ لگ جائیو" ظالم ترے سمجھانے کو

دیکھ لیں شمع کو تاثیرِ وفا کے منکر
جل بجھی خود بھی، جلایا تھا جو پروانے کو

ہو کے سیرابِ کرم دل سے دعا دوں ساقی
ایک بار اور بھی بھر دے مرے پیمانے کو

فرقتِ یار میں گھنگھور اٹھی ہے جو گھٹا
اشکِ خوں آنکھ بھی آمادہ ہے برسانے کو

[دل یہ کہتا ہے، میں ہوں دادِ محبت کا غلام (ق) جس نے آباد کیا ہے مرے ویرانے کو]

روح کہتی ہے، مری جاں ہے وہ نورِ جمال
کردیا جنتِ مستور مرے کاشانے کو

برق کا قول مجھے یاد ہے اب تک حسرت
'زندگی کہتے ہیں دنیا سے گزر جانے کو'

[حسرت کے] ۲۷ اپریل کے کارڈ کا خلاصہ]

......بغیر اظہار جرم و موقعِ تردید کسی کو سزا دینا صریحاً ظلم ہے۔ اس لیے ایسے حکم کا بغیر چوں و چرا منظور کرلینا بجائے خود ایک گناہ ہے جس کے ارتکاب کی مذہب اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ اس سے ظلم کو قوت پہنچتی ہے۔ میں نے اسی بنا پر اس حکم کے ماننے سے انکار کردیا ہے۔ اب گورنمنٹ کیا کرے گی اس کا حال کل پرسوں تک معلوم ہو جائے گا۔"

بہر حال میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ حسرت اپنے دھن کے پکے اور استقلال کے مضبوط ہیں۔ اللہ اپنا فضل کرے اسی پر بھروسہ ہے۔ خدا حسرت کی ہمت اور حوصلے کو بلند کرے۔ اور جلد کامیاب کرے آمین۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ اگر خدا نہ کرے قید ہوئے، تو مجھے بھی صبر کرنا چاہیے اور خدا سے دعا کرنا چاہیے کہ مجھے اتنی قوت، اپنی قدرت کاملہ سے عطا کرے کہ کسی صوت سے میں بھی ظالموں سے حسرت کے ساتھ بے جا ظلم کرنے کا انتقام لے سکوں، چاہے مجھے بھی قید یا پھانسی کیوں نہ ہو جائے۔ خدا سے دعا کروں گی کہ ان کافروں کو تباہ برباد، فنا

کرے اور انشاء اللہ میری دعا ضرور قبول ہوگی۔ آپ بھی دعا فرمایئے کہ حسرت کو خدا ثابت قدم رکھے اور محفوظ رکھے۔ باقی خیریت۔

[فقط والدۂ نعیمہ]

۸

۴رمئی ۱۶ء از علی گڑھ

بہ عالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہٗ العالے

تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔

۲۹راپریل کو میں نے ایک عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ مگر اب تک اس کے جواب سے محروم ہوں۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید نہیں پہنچا۔ انتظار ہے۔

حسرت کے پاس سے پرسوں خط آیا تھا۔ سلام کے بعد آپ کو [اور] ابوالکلام کو لکھا ہے کہ آپ صاحبوں کے خطوط پہنچے، لیکن افسوس ہے کہ یہ مشورہ آپ دونوں صاحبوں کا غلط ہے [کہ نظربندی کے احکام کو قبول کرلیا جائے] کیوں کہ قرآن صاف کہتا ہے۔

نما وھنو لما اصابھم فی سبیل اللہ (آل عمران پارہ ۳)

تازہ غزل حسرت موہانی نوشتہ ۳راپریل ۱۶ء مقام للت پور

ڈرے کیا قہرِ دشمن سے بھلا دل — قوی ہے وعدۂ حق سے مرا دل

سہارا کیا نہیں کافی تمہارا — نہ ڈھونڈھے اب کسی کا آسرا دل

لگا دو آگ عذرِ مصلحت کو — کہ ہے بیزار اس شے سے مرا دل

لڑا کر آنکھ اُس جانِ جہاں سے — نہ ہوگا اب کسی سے آشنا دل

مٹے افکارِ گوناگوں کے جھگڑے — ترے غم کو نہ دے کیوں کہ دعا دل

ترے دردِ محبت کی بدولت — ہوا ہے منزلِ صدق و صفا دل

بڑی درگاہ کا سائل ہوں حسرت — بڑی امید ہے میری، بڑا دل

ولہ

قوی دل، شادیاں دل، با صفا دل — ترے عاشق نے بھی پایا ہے کیا دل

جفا کاری ہے تسلیم ستم بھی — نہ ہوگا تابع جور و جفا دل
غلط ہے قولِ عقلش مصلحت کوش — نہ اس جانب کرے گا اعتنا دل
نہ مانوں گا نصیحت میں کسی کی — کہ ناصح سب سے بہتر ہے مرا دل
توانائے صداقت ہے تو حسرت — نہ ہوگا پیروِ باطل ترا دل[5]

یہ غزل حسرت نے آپ کی حدمت میں ارسال کرنے کو لکھا ہے۔

حسرت ابھی اسی حالت سے ہیں۔ گورنمنٹ کے دیے ہوئے مکان میں رہنے سے انکار کردیا ہے۔ دن کو کسی اور مکان میں اور شب کو مسجد میں سوتے ہیں۔ دیکھیے کیا حکم آتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ کبھی برائی نہ کرے گا۔ اس کا وعدہ سچا ہے وہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ضرور بھلائی کرے گا اور مدد کرے گا۔ خدا ہم مسلمانوں کو احکام الٰہی بجا لانے کی نیک توفیق عطا فرمائے۔

اور مفصل حالات بعد کو عرض کروں گی آپ کے پاس سے جواب نہیں آیا۔ اس لیے اندیشہ ہے کہ شاید آپ کو میرا خط نہیں پہنچا انتظار ہے۔ دعا فرمائیے خدا حسرت کی تکلیف رفع فرمائے، آمین۔ فقط

خاکسار، والدہ نعیمہ۔

[اقتباس جواب مولانا عبدالباری]

............اللہ تعالےٰ فضل الحسن کو صراطِ مستقیم پر مستقل رکھے۔ اس سے بڑھ کے ہماری کوئی اور تمنا اپنے بھائی کے لیے نہیں ہوسکتی ہے۔ میں نے خود ارادہ کرلیا ہے کہ جیسا مشہور ہے سفر اجمیر شریف میں میری بھی نظر بندی ہوگی میں احرام باندھو گا اور مکہ مکرمہ کا ارادہ کرلوں گا۔ گھر سے ہجرت کی نیت ہوگی ــــ باوجود اس کے مولوی فضل الحسن سے میرے مشورہ کو پھر کہہ دیجیے کہ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں ہم کو "لقد کان لکم فی

---

[5] اس دوغزلہ میں بارہ اشعار ہیں، لیکن کلیات میں نو اشعار کی ایک ہی غزل ملتی ہے، جس میں اس دوغزلہ کے چار شعر نہیں ہیں اور کلیات کی غزل کا مندرجہ ذیل شعر ان دونوں غزلوں میں نظر نہیں آتا۔

نہ پہنچے گی کبھی کیا گوشِ گل تک — قفس سے اڑ کے فریادِ عنادل

رسول الله اسوة حسنة " کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حضور کا ایسر الامور کو اختیار کرنا متواتر ہے۔.....

۹

از علی گڑھ

۳ ر رجب یکشنبہ۔ ۵ ر مئی ۱۶ء

بہ عالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہٗ العالے

تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔ افسوس آج آپ کا نوازش نامہ میرے لیے مزید رنج کا باعث ہوا۔ ؎۶ خداوند تعالےٰ آپ بزرگوں پر اور ہم غریبوں پر اپنی رحمت کی نظر رکھے اور مدد کرے۔ اب اسی کا سہارا اور اسی پر بھروسہ ہے آپ سے کچھ عرض و معروض کر کے طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔ سو افسوس! آج کی وحشت اثر خبر سے رہی سہی امید وہ بھی جاتی رہی۔ خدا آپ سب کو اپنے امن و امان میں رکھے اور بامراد کرے۔

حسرت کا کل خط آیا لکھا تھا کہ آپ کو بھی خط لکھ رہا ہوں [کیوں] کہ ایک حکم اور آیا نظر بندی کے متعلق کہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ مگر اس حکم کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے وظائف سرکاری مدِ خیرات سے دیے جاتے ہیں۔ محمد علی صاحب و شوکت علی صاحب کو جو وظیفہ ملتا ہے وہ بھی اسی مد سے ملتا ہے۔ انہوں نے اسے منظور کر لیا، کیوں کہ وہ منظور کر سکتے تھے۔ مگر میں نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ سادات کے لیے مدِ خیرات یا مدِ زکوٰۃ سے قبول کرنا حرام ہے۔ چنانچہ میں نے اسی حکم پر یہی لکھ کر واپس کر دیا کہ قواعدِ مذہب کی رو سے میں کسی قسم کا وظیفہ نہیں لے سکتا۔

آج بھی [حسرت کا] خط آیا لکھا ہے کہ "میں نے اپنے جیب خرچ سے ایک تار بھی دیا اور دو درخواستیں بھیجیں کسی کا اب تک جواب نہیں آیا...... میں نے مجسٹریٹ للت پور کو لکھا ہے کہ ۶ ر مئی تک مجھے جواب تار کے ذریعہ منگوا دیجیے ورنہ میں شام تک للت پور سے چلا جاؤں گا۔" چنانچہ حدودِ [شہر] کے باہر وہ شاید مجسٹریٹ کے حکم سے گرفتار کر لیے جائیں اور غالباً مقدمہ چلایا

؎۶ مولانا عبدالباری کے ارادۂ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔

جائے یا دیکھیے کیا ہو، وہاں خدانخواستہ ہیضہ ہے اس لیے اور بھی طبیعت پریشان ہے خدا اپنی حفاظت میں رکھے۔

آپ کا قصد کب تک اجمیر شریف کی روانگی کا ہے۔ میں نے ۲۹ر اپریل کو ایک طویل خط یعنی حسرت کے خطوط کی مفصل نقل اور آیتوں کی نقل اور دیگر حالات لکھے تھے اس کا جواب مجھے نہیں ملا۔ خیر خدا مالک ہے میں آج پھر حسرت کو خط لکھ رہی ہوں۔ معلوم نہیں ان کو ملتا بھی ہے یا نہیں۔ اور معلوم نہیں انہوں نے اور کیا کارروائی کی ہو۔ خدا حافظ ہے، مددگار ہے اور کیا کہوں۔ یہاں خیریت ہے اور بالکل سناٹا ہے۔ کچھ حال نہیں معلوم ہوتا طبیعت سخت پریشان رہتی ہے۔ وہاں کے اطراف کا حال معلوم ہوا۔ امید ہے کہ مزید حالات سے بھی اطلاع دیجیے گا۔ خدا سے امید ہے کہ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہر بلا اور ہر مصیبت سے امان میں رکھے گا۔ وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین.

محمد علی صاحب و شوکت صاحب کا بھی خط آیا وہ بھی غریب کیا کر سکتے ہیں۔ ابوالکلام کا بھی آیا ہے۔ دعا کیجیے خدا اپنے مسلمان بندوں کو نیک ہدایت دے اور ہمت اور استقلال عطا فرمائے فقط۔

خاکسار والدۂ نعیمہ

[اقتباس خط حسرت بنام نشاط النساء بیگم]

للت پور۔ ۹ر مئی ۱۹۱۶ء

کل ایک لفافہ لکھ چکا ہوں۔ اس کے لکھنے کے بعد ہی شام کو گورنمنٹ کا حکم آ گیا کہ للت پور سے کہیں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس لیے اب مجبوراً مجھ کو للت پور سے جانا پڑا۔ میں یہ کارڈ لکھ کر جانا چاہوں گا اور اس وقت پولیس مجھ کو باضابطہ گرفتار کر لے گی اور بعد میں مقدمہ ہوگا۔ مقدمہ کہاں ہوگا اس کا حال ابھی نہیں معلوم ہوا۔ خیر جہاں کہیں ہوگا اس کا حال بعد میں بذریعہ تارتم کو لکھوں گا۔ تم خواجہ مجید صاحب کے پاس یہ خط بھیج دینا اور کہہ دینا کہ اگرچہ مجھ کو اپنے مقدمے میں بحث وغیرہ کے لیے کسی وکیل کی ضرورت نہیں لیکن بہت سی باتیں ایسی پیش آتی ہیں جن میں

ایک قانونداں کی مدد ضروری ہو جاتی ہے۔ پس جہاں کہیں مقدمہ ہو
وہاں آپ ایک روز کے لیے آیئے یا کسی اور کو بھیج دیجیے۔ بے شک فیس
میں ادا کروں گا۔ مقامی وکیلوں سے میں کسی مدد کی امید نہیں رکھتا اس لیے
آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ کم سے کم ایک وکیل یا بیرسٹر میری مدد
کے لیے ہونا چاہیے۔ فقط!

[احکام نظر بندی کو، نیز نظر بندی کے سلسلے میں، وظیفہ نہ قبول کرنے کے باب میں حسرت کے نقطۂ نظر کی وضاحت اُن دو خطوط سے ہوتی ہے، جب للت پور ہی سے انہوں نے مولانا عبدالباری کو لکھے تھے ذیل میں ان کے اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں]:

از للت پور ۱۴ر مئی ۱۶ء از فقیر حقیر حسرت موہانی

......چندروز کے لیے یہاں کے مجسٹریٹ نے پرائیوٹ طور سے مجھ کو اجازت دے دی تھی کہ بغیر حکم مانے ہوئے تم للت پور میں رہ کر گورنمنٹ سے اپنے معاملے میں خط و کتابت کر لو۔ چنانچہ میں نے کئی تحریر اور تار بھیجے اور اب آخر میں کل یعنی ۱۳ر مئی کو ایک طویل تار اس مضمون کا روانہ کیا ہے کہ میرا انکار ضد کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اخلاقی اور مذہبی عذرات کے باعث ہے۔ چنانچہ میں علی گڑھ میں نظر بندی منظور کر سکتا ہوں بشرطیکہ:

(۱) حکم نظر بندی میں کسی جرم کی تصریح یا اشارہ نہ ہو، تاکہ اس کے قبول کرنے کے متعلق میرا اصولی اعتراض رفع ہو جائے۔

(۲) مجھ کو کسب رزق حلال مثلاً بذریعہ اشاعت تذکرۃ الشعراء وغیرہ کی اجازت ہو تاکہ مجھ کو وظیفہ بمدِ خیرات لینے کی ضرورت نہ پڑے۔

(۳) سلب آزادی کا مجھ کو نقد معاوضہ اس قدر یک مشت یا ماہوار دیا جائے جو کاروباری نقصان کی تلافی کر سکے۔

اس کا جواب میں نے کل یعنی ۱۵ر مئی دوپہر سے قبل مانگا ہے کیوں کہ اُس وقت میرے خلاف مقدمۂ عدولِ حکم کے آغاز کا مقرر ہے۔ اگر جواب

حسب دلخواہ [نہ آیا تو] مقدمہ شروع ہوگا......

اگر مقدمہ شروع ہوا تو میں تین اعتراض ابتدائی کروں گا۔

(۱) خلاف ورزی حکم [چوں کہ] علی گڑھ میں کی گئی تھی، اس لیے مقدمہ وہیں ہونا چاہیے۔

(۲) للت پور میں مجھ کو قانونی یا مالی مدد نہیں مل سکتی اس لیے مقدمہ یہاں نہ ہو۔

(۳) حکام للت پور صرف لفٹنٹ گورنر کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ انصاف نہیں کرتے جس کا وہ خود مجھ سے اقرار کر چکے ہیں اس لیے وہ سماعت مقدمہ کے نا قابل ہیں۔

اگر یہ عذر مسموع نہ ہوں گے تو میں التوائے مقدمہ کی درخواست کروں گا تا کہ ہائی کورٹ میں تحریک کروں۔ فقط

للت پور ۱۸ ر مئی ۱۹۱۶ء

.... آج جناب کے گرامی نامے نے عزت افزائی کی۔ آپ دریافت فرماتے ہیں کہ میں نظر بندی پر قید کو کیوں ترجیح دیتا ہوں؟ میں نے جناب کی سمع خراشی کے خیال سے پہلے نہیں کہا تھا۔ اب عرض کرتا ہوں کہ قانون حفاظتِ ہند چونکہ جلدی میں بنایا گیا ہے اس لیے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئی ہیں۔ میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ اصل حال یہ ہے کہ اس قانون کی رو سے میرا مقدمہ یہاں کسی مجسٹریٹ کی عدالت میں ہو نہیں سکتا۔ یا تو ہائیکورٹ میں ہوگا یا پھر سر جیمس مسٹن [گورنر صوبہ متحدہ] کو گورنر جنرل سے منظوری لے کر پہلے قانون حفاظت ہند کی ۹ دفعوں کو صوبجات متحدہ میں، یا کسی مقام پر جہاں میرا مقدمہ ہوگا نافذ کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ ان صوبجات میں ابھی صرف دو دفعہ نافذ ہیں۔ ان دوسری دفعات کے نفاذ کے بغیر لفٹیننٹ گورنر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ البتہ اسپیشل

[کمشنر] مقرر کر سکتا ہے جو خاص میرے مقدمے کے لیے مقرر کیے جائیں گے۔ اول تو اسپیشل کمشنروں کے تقرر کی نسبت خدا کے فضل سے بعض ایسی قانونی باریکیاں میرے ذہن میں آئی ہیں جن کا اظہار میں اس وقت نہیں کر سکتا۔ مگر جن کی بنا پر ان کمشنروں کو میرے خلاف مقدمہ چلانے میں سخت دقت پیش آئے گی اور اگر بالفرض انہوں نے زبردستی مقدمہ چلایا بھی تو قید سخت کی سزا تو وہ دے ہی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ میرے اعتراضات سب مذہبی یا اخلاقی ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ کوئی عدالت کسی شخص کو اپنے اخلاق اور مذہب کے خلاف عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ نہ ایسے احکام کی خلاف ورزی پر جو اخلاقی و مذہبی حیثیت سے کسی شخص کے نزدیک نا قابل قبول ہوں قید سخت کی سزا دے سکتی ہے۔ پس رہی قید محض۔ اس میں اور نظر بندی میں کوئی فرق نہیں اور جب حال یہ ہے تو یہ ظاہر ہے کہ میں نظر بندی کو منظور کر کے جبر و ستم کے سامنے عاجزی و ناچاری کے ساتھ سر جھکا دینے کی نا قابلِ برداشت ذلت کو خواہ مخواہ کیوں گوارہ کروں۔

فرض کیجیے کہ میرا خیال صحیح ثابت نہ ہو اور قید سخت کی سزا ہی مجھے دی جائے تو میں حکم قید ماننے سے انکار کر دوں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں مجھ کو کسی قدر تکلیف برداشت کرنی پڑے گی لیکن اپنی ذات کو اس تھوڑی سی تکلیف سے بچانے کے لیے میں اپنے اس اصول کو نہیں چھوڑ سکتا، بہ شرط یہ کہ امکان [میں ہو]۔ تسلیمِ ستم ہر حال میں نا جائز ہے......

گورنمنٹ سے جو امداد نظر بندوں کو دی جاتی ہے وہ سب خیراتی فنڈ سے دی جاتی ہے چنانچہ میرے نام جو حکم اس ضمن میں آیا تھا اس میں یہ صاف لکھا ہوا تھا۔ مجھے اس کے لینے میں بے شک تامل ہے تو مذہبی اعتبار سے۔ دوسرے اس خیال سے بھی کہ انکار حکم نظر بندی کے اسباب میں سے ایک سبب اس واقعہ کو بھی قرار دینا چاہتا ہوں اور مشتبہ ہونے کی حالت میں میرا

فائدہ اسی میں ہے کہ میں اس کو مذہبی سبب قرار دوں اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے جائز ہے۔.....

میں نے کارڈ سے پہلے ایک لفافہ بھی خدمت مبارک میں روانہ کیا تھا جس میں اخیر میں لکھ دیا تھا کہ بعد ملاحظہ عالی وہ مولانا ابوالکلام کو بھیج دیا جائے۔ غالباً جناب نے بھیج دیا ہو۔ یہ عریضہ بھی بعد ملاحظہ ان کو بھیج دیا جائے تو بہتر ہے کیوں کہ انہوں نے بھی قریب قریب وہی باتیں مجھ کو لکھی ہیں جو جناب نے تحریر فرمائی ہیں اور ان کو بھی وہی جواب دوں گا جو جناب کو دیا ہے.........ے

[اقتباس خطوط حسرت بنام نشاط النساء بیگم]

للت پور۔ ۱۰ر مئی ۱۹۱۶ء

......آج صبح کو میں نے لفٹیننٹ گورنر کو تار دیا تھا کہ مجھ کو ملنے کی اجازت دیجیے اس وقت جواب آ گیا کہ مل نہیں سکتے البتہ اگر کوئی تحریر بھیجو تو ہم غور کریں گے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ ایک آخری تدبیر یہ بھی کر دیکھوں کہ سب حال ان کو لکھ بھیجوں شاید اس پر کچھ لحاظ کیا جائے۔ مگر اس تحریر کے روانہ کرنے سے قبل میں چاہتا تھا کہ کسی بیرسٹر سے مل کر مشورہ کرلوں۔ اس لیے آج تین تار میں نے جوابی مفصلہ ذیل لوگوں کے نام بھیجے ہیں کہ مجھ سے آ کر مل جاؤ۔ میں اخراجات ادا کروں گا۔

(۱) خواجہ عبدالمجید، بیرسٹر علی گڑھ (۲) ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹر لکھنؤ (۳) ظہور احمد بیرسٹر الہ آباد۔

غالباً پرسوں تک ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ ان سے مشورہ کر کے لفٹیننٹ گورنر کے نام تحریر روانہ کروں گا اور اس کے جواب آنے تک

ے یہ اقتباسات حسرت کے اس خط سے اخذ کیے گئے ہیں جو کلیات حسرت (دہلی ایڈیشن، ص ۲۳ تا ۲۶) کے مقدمے میں مولانا جمال میاں فرنگی محلی نے نقل کیا ہے۔

اور انتظار کروں گا یعنی للت پور سے باہر نہ جاؤں گا اس کے سوا باقی اور احکام کی نہ میں نے آج تک تعمیل کی ہے نہ کروں گا............

للت پور۔۱۲ر مئی ۱۹۱۶ء

گورنمنٹ کا حکم جب تک نہ آیا تھا اس وقت تک میں نے خط نہ لکھنے کا عہد کیا تھا۔ مگر اب تو حکم آ گیا ہے اس لیے اب کوئی پابند نہیں ہے۔ میں روزانہ خط لکھوں گا بغیر کسی کو دکھائے ہوئے، کیوں کہ احکام نظر بندی کی تعمیل اس وقت تک نہ میں نے کی ہے نہ کروں گا۔ ڈاکٹر ناظر الدین نے تار کے جواب میں لکھا ہے کہ اگر فیس و خرچ پیشگی بھیج دو تو آؤں۔ یہ بھی اچھا ہے۔ میں ان کا تار، اگر للت پور میں مقدمہ ہوا، تو پیش کروں گا کہ یہاں مجھ کو قانونی مدد نہیں مل سکتی۔ اس لیے مقدمہ علی گڑھ کو منتقل کیا جائے۔ بیرسٹر ظہور احمد صاحب الہ آباد میں نہیں ہیں۔ اس لیے ان کے بھائی اڈیٹر مساوات نے تار کا جواب دیا ہے کہ جب وہ آ جائیں گے تب بھیجوں گا۔ خواجہ مجید کا کوئی جواب نہیں آیا۔ بہر حال کل یعنی سنیچر کو میں گورنمنٹ کو اپنی آخری تحریر بھیجوں گا کہ میں علی گڑھ میں نظر بندی منظور کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ میرے ذمہ کوئی الزام نہ لگایا جائے اور مجھ کو بدستور اپنی روزی خود پیدا کرنے کی اجازت ہو۔ نیز آزادی کے سلب کرنے کا یک مشت معاوضہ اس قدر دیا جائے کہ میں اپنا قرض ادا کر سکوں۔ اگر یہ منظور ہو گا تو خیر ورنہ پھر مقدمہ یقینی ہے غالباً ایک ہفتہ میں......

للت پور۔۱۳ر مئی ۱۹۱۶ء

......میں نے آج ۸۸ لفظوں کا ایک اور تار لفٹنینٹ گورنر صاحب کو بھیجا ہے یہ آخری ترکیب ہے۔ اگر انہوں نے اس کو منظور کر لیا تو خیر ورنہ پرسوں یعنی ۱۵ر مئی ۱۶ء کو ۱۱ بجے دن کے میرے خلاف مقدمے کی

کارروائی یہاں سب ڈویژنل افسر کے اجلاس میں شروع ہو جائے گی میں اس کے لیے تیار ہوں۔ سب باتیں اور اعتراض وغیرہ سوچ لیے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجھ کو کامیابی ہوگی مگر ایک اور بھی شخص مثل بیرسٹر کے ہوتا تو اچھا تھا۔ یہ خط خواجہ مجید صاحب کو فوراً بھیج دینا......

للت پور۔ ۱۶ر مئی ۱۹۱۶ء

میں کل مفصل خط لکھ چکا ہوں۔ آج بھی لکھتا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ خط بھی تم کو کل ہی مل جائے۔ اس وقت تک مقدمہ میرے موافق ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ برابر کامیابی ہوگی۔ اچھا ہوا کہ کوئی نہ آیا ورنہ مفت میں احسان ہوتا اور نتیجہ کچھ نہ ہوتا۔

[اخبار] مسلمان ملا۔ مگر مشرق اور قیصر ہند نہیں ملے۔ معلوم نہیں کیا سبب ہوا۔ ابھی تار کا جواب نہیں آیا۔ مگر مجسٹریٹ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غالباً گورنمنٹ کچھ نہ کچھ رعایت ضرور کرے گی ورنہ ہمارا کچھ نقصان نہیں ہے۔ ان ہی کو پریشانی ہوگی......

میں نے آج خطوط ڈاکٹر تیج بہادر سپرو [اور] ظہور احمد بیرسٹر الہ آباد کو لکھے ہیں۔ اگر ضرورت ہوئی تو ان کے ذریعے ہائی کورٹ میں پیروی کراؤں گا............

۱۰

[خط نشاط النساء بنام ایڈیٹر مشرق]

اہلیہ جناب حسرت موہانی تیسرے خط میں تحریر فرماتی ہیں کہ:

صاحب مجسٹریٹ للت پور کو اختیار سماعتِ مقدمہ نہ تھا۔ اس لیے ۲۲ر مئی کو صاحب مجسٹریٹ جھانسی للت پور آئے اور مقدمے کے کاغذات دیکھے۔ حسرت نے کہا کہ مقدمہ علی گڑھ میں ہونا چاہیے۔ مجسٹریٹ نے اس کو تسلیم نہ کیا۔ حسرت نے کہا کہ مقدمہ ملتوی کیا جائے۔ میں

انتقالِ [مقدمہ] کی درخواست عدالتِ بالا میں دوں گا۔ [مجسٹریٹ نے] اس کو بھی نامنظور کر دیا اور چند لوگوں کے بیانات لے کر فردِ جرم لگا دی، [جو یہ ہے]:

۱۔ میونسپلٹی للت پور کے باہر ڈاک خانے میں خطوط ڈالنے کے لیے تم گئے۔

۲۔ تم نے خطوط بلا اطلاع کے روانہ کیے۔

۳۔ کوتوالی میں تم نے رپورٹ نہیں کی۔

صاحب مجسٹریٹ نے کہا کہ کل جھانسی آؤ۔ جھانسی میں مقدمہ پیش ہوا۔ حسرت نے کہا کہ مقدمہ ملتوی کیا جائے۔ میں اپنے بیرسٹر کو بلاؤں گا۔ مگر مقدمہ ملتوی نہیں کیا گیا اور تینوں جرموں میں آٹھ آٹھ مہینے کی سزائے قیدِ محض دی گئی۔ حسرت اپیل کریں گے۔

حسرت کو اخبارات دیکھنے کی اجازت ہے۔ لیڈر [الہ آباد] منگواتے ہیں اور روزانہ میں یہاں [علی گڑھ] سے ان کو اور اخبارات بھیج دیا کرتی ہوں۔

تذکرہ تیار ہے، عنقریب شائع کردوں گی۔ معاصرین سے درخواست ہے کہ اپنے رسالے اور اخبارات تذکرۃ الشعرا کے تبادلے میں بھیجتے رہیں۔ [8]

ہم عصر ہندوستانی [لکھنؤ] لکھتا ہے۔

میں سنتا ہوں کہ مولوی فضل الحسن حسرت موہانی للت پور سے عدول حکم کی بنا پر ماخوذ کر کے دو برس کے لیے جھانسی جیل میں قید کر دیے گئے ہیں ......ان کے اعزہ کی دلی خواہش ہے کہ کوئی وطن پرست تھوڑی سی تکلیف گوارا کر کے اگر مجسٹریٹ صاحب کی کارروائی اور فیصلے کی نقل حاصل کر کے ہائی کورٹ میں اپیل کر دے تو ممکن ہے کہ ان کے مقدمے کی خاطر خواہ سماعت ہو اور سزا میں کچھ تخفیف ہو جائے۔ ہم گورنمنٹ سے استدعا کرتے ہیں کہ اس معاملے پر نظرِ انصاف سے جلد توجہ فرمائے اور حقیقت حال پر قابلِ اطمینان روشنی ڈالے تاکہ پبلک کو غلط فہمی کا موقع نہ ملے۔ [9]

---

[8] مشرق (گورکھ پور): بحوالہ مدینہ (بجنور) ۲۲ر جون ۱۹۱۶ء

[9] مدینہ: ۱۵ر جون ۱۹۱۶ء، ص ۳۔

۱۱

۴رجون ۱۶ء از علی گڑھ

حضرت صاحب قبلہ۔ تسلیم مزاجِ اقدس۔

کل جیل سے حسرت کا خط آیا۔ ۰!

۱۲

از علی گڑھ

۵رجون ۱۹۱۶

حضرت صاحب قبلہ دام اقبالہ

تسلیم فدویانہ کے بعد عرض یہ ہے کہ کل ایک کارڈ روانہ خدمت کر چکی ہوں۔ ملاحظے سے گذرا ہوگا۔ خواجہ مجید صاحب نے ایک مدّت سے یہ امید رکھ کر کل میرے دریافت کرنے پر صاف جواب دے دیا کہ "مناسب یہی ہے کہ آپ مجھ سے کوئی خدمت نہ لیں۔" آپ کے سوا مجھے اس وقت یہاں تو کوئی نظر نہیں آتا جو اس ایک معمولی سے کام کو بھی کر دے گا۔ آپ میرے خصوصاً حسرت کے حال پر مہربانی فرما کر جناب شیخ شاہد حسین صاحب بیرسٹر سے میری اور حسرت کی جانب سے یہ درخواست کیجیے کہ آپ از راہِ کرم تکلیف فرما کر جس قدر جلد ہو سکے حسرت کی طرف سے ایک میموریل انگریزی میں تیار کر کے جس کا مسودہ مختصر میں نے دوسرے صفحے پر لکھ دیا ہے) لفٹنٹ گورنر کو روانہ فرما دیجیے۔ اس کے متعلق جو صَرف ہے وہ میں دینے کے لیے حاضر ہوں اور میرا میموریل بھی انگریزی میں ترجمہ کر کے لفٹنٹ گورنر کے پاس اور اگر مناسب ہو تو ایک کاپی وائسرائے کے پاس بھی بھیج دیں اس میں اور دو ایک باتوں کا اضافہ کر دیجئے گا۔

[فقط خاکسار و فدویہ والدۂ نعیمہ]

۰! یہ خط نامکمل ہے غالباً اس کا بقیہ حصہ حذف ہو گیا ہے۔

۱۳

از علی گڑھ، دفتر تذکرۃ الشعراء

۱۲/جون [۱۶ء]

حضرت صاحب قبلہ تسلیم فدویانہ قبول فرمایئے۔

آپ کا اس وقت تک باوجود سخت انتظار کوئی عنایت نامہ نہیں آیا۔ سخت انتظار ہے۔ ۵/جون کو رجسٹری شدہ میموریل بھیجا تھا معلوم نہیں کیا ہوا۔ آپ نے یقین ہے روانہ فرما دیا ہوگا۔ لیکن کوئی جواب نہیں مرحمت فرمایا دوسرا خط بھی ۹/جون کو لکھا ہے اس کا بھی جواب نہ وصول ہوا۔ میں امید کرتی ہوں کہ جلد جواب میں تفصیلی عنایت نامہ روانہ فرمایئے گا۔ آج الہ آباد سے ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے نقل کو مع اپنے بتائے ہوئے وجوہات اپیل مجھے واپس کر دیے کہ آپ جلد کسی عزیز کو بھیج کر اپیل دائر کرا دیجئے۔ اب میں سخت پریشان ہوں کہ کیا کروں۔ الہ آباد میں ظہور احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا نے روح الحسن بھائی سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ پیروی کروں گا۔ ان کو بھی میں نے روزانہ خطوط لکھے کوئی جواب نہیں آیا۔ مجبوراً آج ناصر الحسن اپنے چھوٹے بھائی کو جو دکان میں رہتے ہیں الہ آباد ظہور احمد کے پاس مع نقل وغیرہ بھیجا ہے۔ اگر وہ چلے گئے تو اچھا ہے ورنہ آپ ہی کا صرف آخری ایک سہارا باقی رہ جائے گا۔ لہٰذا آپ اس حالت میں میری مجبوریوں پر رحم فرما کر......شاہد حسین صاحب یا کسی اور کے ذریعے اپیل جھانسی میں دائر کرا دیجیے۔ میں نے ناصر کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر الہ آباد سے ظہور احمد نہ جائیں تو آپ کے پاس مع کاغذات چلے جائیں آپ ناصر الحسن سے سب کاغذات لے کر بیرسٹر صاحب کو دے دیجئے اور جھانسی جلد بھجوا دیجیے گا۔ ناصر کو کچھ روپے اخراجات بیرسٹر کے زادراہ وغیرہ کے لیے دیدیے ہیں جو ضرورت ہو آپ ان سے لے لیجئے گا۔ جواب سے جلد سرفراز فرمایئے اور شاہد حسین کو اپیل کے لیے آمادہ رکھیے خدا بھلا کرے گا ان کا جو اس وقت ہمارا ساتھ دیں۔ دیوان حافظ بھی ناصر کو آپ کے دیکھنے کو دے دیا ہے آپ اس کو دیکھ کر واپس فرما دیجئے گا۔ فقط

۱۴

از علی گڑھ

۱۵ر جون ۱۶ء

حضرت صاحب قبلہ۔ تسلیم فدویانہ قبول کیجیے

میرے دو عریضے خدمت گرامی میں پہنچے ہوں گے مگر افسوس ہے کسی کا جواب نہیں مرحمت ہوا۔ معلوم نہیں کہ [شاہد حسین] بیرسٹر صاحب نینی تال سے تشریف لائے یا نہیں۔ آج صبح کو ناصر الحسن الہ آباد سے واپس آئے۔ ظہور احمد بیرسٹر نے نقل تحریر مع وجوہات اپیل حسرت کے پاس ڈسٹرکٹ جیل جھانسی بھیج دی ہے کہ وہ وہاں اپیل دائر کرا دیں۔ اب حسرت غریب وہاں کیا کر سکتے ہیں ڈاکٹر [شاہ سلیمان] اور بیرسٹروں کی رائے ہے کہ اپیل میں فیصلہ کلکٹر جھانسی کا منسوخ ہوگا اور پھر سے تحقیقات ہوگی۔ آزادی ہوگی۔ غنیمت تھا مگر افسوس ہے کہ کوئی وکیل، بیرسٹر جھانسی تک جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ کیسی مجبوری اور افسوس کا مقام ہے۔

یہ واپسی ڈاک مطلع کیجیے کہ شاہد حسین صاحب آئے یا نہیں۔ کب تک تشریف لائیں گے اور جھانسی جائیں گے یا نہیں۔ آپ کو خود ہی خیال ہوگا۔ میرے لکھنے کی ضرورت نہ تھی مگر طبیعت تنہائی کی وجہ سے پریشان ہے اور مدت اپیل کم رہ گئی ہے اس لیے اور بھی انتشار ہے۔ دیکھیے حسرت اب کیا کرتے ہیں۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے بھی جواب دے دیا کہ مجبور ہوں حالاں کہ انہوں نے پہلے وعدہ کیا تھا۔ خیر۔ خواجہ مجید صاحب کا کوئی حرج نہ تھا اگر اپیل دائر کرنے کے لیے جھانسی جاتے۔ خیر کوئی ہماری مصیبت میں نہ شریک ہوا [شاید] اللہ کی مرضی کچھ ایسی ہی ہے۔ دو سال قید برداشت کریں گے کیا کیا جائے۔ ایک آپ کا اب سہارا باقی ہے دیکھیے کیا آپ کے پاس سے جواب آتا ہے۔ خدا کرے شاہد حسین آ گئے ہوں اور جھانسی ڈسٹرکٹ جیل بذریعہ کلکٹر یا جج جھانسی حسرت کے پاس چلے جائیں فقط

[والدہ نعیمہ]

۱۵

ازعلی گڑھ۔ دفتر اردوئے معلیٰ

۲۱؍جون ۱۹۱۶ء

حضرت صاحب قبلہ تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔

آج حسرت کا جھانسی سے خط آیا غزلیات اور من جملہ اور باتوں کے آپ کے متعلق بھی یہ عرض ہے کہ مولوی عبدالباری صاحب کو جس روز یہ خط پہنچے اسی دن خط لکھنا اور مندرجہ ذیل مخمس اور غزل لکھ بھیجنا کہ اس بار میں [مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی کے] عرس میں حاضری سے معذور ہوں...... اس لیے یہ غزل بہ طور نذر حاضر کرتا ہوں میری جانب سے درگاہ شریف میں بعد فاتحہ یہ غزل پیش کر دی جائے۔

تخمیس حسرت موہانی بر غزل حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ از جھانسی

اے وجہِ سرورِ بادہ نوشاں وے باعثِ نازِ دلق پوشاں
اے موجبِ حیرت خموشاں اے میرِ ہمہ شکر فروشاں
تو بہ شکنِ صلاحِ کوشاں

کہیے جسے لطفِ اتفاقی اس سے بھی نہ ہم ہوئے ملاقی
بدلی نہ وہ حالتِ فراقی عشاق زدست چون تو ساقی
خون نابہ بجائے بادہ نوشاں

کرتا ہے کوئی تری شکایت کوئی ترے لطف کی روایت
یعنے بہ شکایت و حکایت از تو سخنے بہ ہر ولایت
خسرو بہ ولایتِ خموشاں

غزل حسرت موہانی از جیل جھانسی

تا قیامت رہے قائم مرے سرکار کا باغ وہ جسے کہتے ہیں سب حضرتِ انوار کا باغ
خاص آرام گہِ حضرت وہابِ شہید ہے بجا خلق میں مشہور یہ انوار کا باغ
مئے عرفاں کی لگی رہتی ہے ہر وقت سبیل جائے رحمت ہے یہ رندانِ قدح خوار کا باغ

ثمرِ ویں ہیں یہاں یا شجر طیبِ عشق　　باغ بھی کون ہے یہ نور کے اشجار کا باغ
اہلِ دل کہتے ہیں سر کردۂ عشاق [1] جسے　　عاشقو ہے یہ اسی قافلہ سالار کا باغ

ہدیہ حسنِ عقیدت ہیں یہ گل ہائے خلوص
نذرِ رزاق ہے حسرت مرے اشعار کا باغ

میں نے کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ اپیل حسرت نے خود ہی بذریعہ سپرنٹنڈنٹ جیل دائر کر دی۔ پہلی جولائی کو پیشی مقرر ہے۔ خاموش نہیں رہا جاتا [کیوں] کہ فطرت انسانی انقلاب پسند واقع ہوئی ہے۔ اس لیے کوشش کچھ نہ کچھ ہوتی ہی رہے گی باقی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تو ہئی ہے جو اس کی مرضی ہوگی وہ ہو کے رہے گا۔

آپ نے حسرت کی اس سے قبل کی غزل اور مخمس انتظامیہ کو بھیج دی ہوگی؟

باقی خیریت زیادہ ادب، فدویہ نعیمہ بہ ادب تسلیم گزرہے۔ فقط

خاکسار والدہ نعیمہ

تخمیس حسرت موہانی بر غزل حافظؔ

وہ رنگیں گلِ گلشن رہ نمائی　　وہ سرمایۂ نازشِ مقتدائی
وہ زیبندۂ مسندِ مصطفائی　　سلامے چو بوئے خوش آشنائی
بداں مردمِ دیدۂ روشنائی

بہ درگاہ آں دلبرِ دل ربایاں　　جزیں، ہیچ ناید زما بے نوایاں
دعائے چو حسنِ تمنائے مایاں　　در و دے چو نورِ دلِ پار سایاں
بہ داں شمع خلوت گہِ پار سائی

خبر دار اے مے کشِ نا شکیبا　　نہ کرنا کہیں ترکِ مئے کا ارادا
بر آنے کو ہے تیرے دل کی تمنا　　زکوئے مغاں رُو مگرواں کہ آں جا
فروشند مفتاحِ مشکل کشائی

[1] یعنی پیشوائے عشاق بقول قادر علی الاطلاق حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محل قدس سرہ

(حسرت)

رہا کیوں نہ فرمان حق کا میں تابع ہوئی خدمت غیر میں عمر ضائع
مضر ہے وہ سمجھے ہیں سب جس کو نافع مرا گر تو بگذاری اے نفس طامع
بے پاد شاہی کنم در گدائی

رہِ حق میں پہنچے جو تجھ کو اذیت نہ ہو اس سے ہرگز تری پست ہمت
رہے یاد حسرت یہ ہر دم نصیحت ممکن حافظ از جور گردوں شکایت
چہ دانی تو اے بندہ کارِ خدائی

وقف حق ہے یہیں مریدِ مراد مقصدِ عاشقانِ پاک نژاد
دلِ پس ماندگان نہ ہونا شاد چل رہی ہے ہنوز بادِ مراد
نہ مٹا حسن کا تغافلِ ناز نہ ملی میرے صبرِ عشق کی داد
ان کی تھی میرے حال دل پہ نظر اور میں ان کے حال پر تھا شاد
بڑھ گیا راہِ عاشقی میں جنوں رہ گئے صاحبانِ بست و کشاد
کچھ نہیں ہے تیری رضا کے سوا خواہشِ عاشقِ خجستہ نہاد
اصل اصلاح ہے وہی حسرت
جس کو سمجھے ہیں اہلِ جور فساد

۱۶

از علی گڑھ۔ دفتر اردوئے معلیٰ

۲۴ رجون ۱۹۱۶ء

حضرت صاحب قبلہ تسلیم فدویانہ قبول فرمایئے۔

آج آپ کا عنایت نامہ ملا باعث تسلی ہوا۔ اب آپ شاہد حسین صاحب کا یا اور کسی بیرسٹر کا خیال نہ فرمایئے جانے دیجیے۔ سب لوگ بے وجہ حد درجہ خائف ہیں اور یہی ہماری ہلاکت کا نشان ہے۔ خدا رحم فرمائے۔ ۲۱ رمئی کو حسرت کا خط جیل سے آیا تھا۔ من جملہ اور بہت سی غزلوں کے ایک غزل حضرت مولانا مرشدنا عبدالرزاق صاحب فرنگی محلی قدس سراہ العزیز کی شان میں لکھ کر درگاہ شریف کے نذر کرنے کو آپ کی خدمت میں بھیجنے کو لکھا تھا۔ چنانچہ میں نے

آپ کی خدمت میں روانہ کر دی اور ایک مخمس حسرت بر غزل حضرت امیر خسرو بھی۔ کل وہ عریضہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ امید ہے رسید سے مطلع کیجیے گا۔ آج حسرت کا اور خط جیل سے آیا۔ لکھا ہے کہ میں نے اس کی بھی درخواست دی تھی کہ عدالت میں میں خود پیروی کر سکوں تا کہ میرے وکیل کو مجھ سے مدد پہنچے۔

یہ درخواست منظور ہو گئی۔ اب اگر ظہور احمد صاحب بیرسٹر الہ آباد سے آجائیں گے تو اچھا ہے۔ زادِ راہ بھیج دیا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا پیشی میں جانے کا۔ ورنہ وہ خود پیروی مقدمہ کریں گے۔ ممکن ہے کوئی وکیل جھانسی کا بھی ہو جائے۔

میں نے ایک تار ابوالکلام کو دیا تھا۔ انہوں نے کلکتہ سے کسی بیرسٹر کو سو روپے [اور] فیس وغیرہ کے وے کر جھانسی بھیج دیا ہے۔ خط لکھا ہے۔ اگر پہلی جولائی تک وہ بیرسٹر وہاں مقیم رہ کر پیروی مقدمہ کرے تو اچھا ہے۔ میں نے احتیاطاً ردولی شریف سے سید افضال حسین صاحب کو جھانسی حسرت کے پاس بھیج دیا تھا ۱۵ر جون کو۔ تا کہ ۲۳ر جون تک وہاں اپیل دائر کرنے کا کوئی انتظام کریں۔ چنانچہ ان سے غالباً حسرت کو کچھ مدد ملے گی۔ باقی اللہ مددگار ہے۔

تخمیس اور غزل حسب ارشاد دوبارہ ارسال خدمت ہے۔[12] ایڈیٹر صاحب ''انتظامیہ'' کو بھجوا دیجئے گا۔ اور کیا عرض کروں۔

فقط خاکسار فدویہ اہلیہ حسرت موہانی۔

۱۷

از علی گڑھ دفتر اردوئے معلیٰ

۲۷ر جون ۱۹۱۶ء

حضرت صاحب قبلہ! تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔

آپ کے دو عنایت نامے مجھے ملے۔ کیفیت معلوم ہوئی۔ چوں کہ آپ نے حسرت کو شاہد حسین صاحب سے پیروی [کرانے] کے لیے تحریر فرمایا ہے۔ اسی امید پر آپ کو بار بار تکلیف دینے کی ضرورت پیش آئی۔ اور حسرت نے کچھ زائد لکھا بھی نہیں تھا۔ البتہ میری ذاتی کوشش تھی

[12] تخمیس اور غزل سابقہ خط میں نقل کی جا چکی ہے۔

کہ اگر وہ جا کے اپیل دائر کر دیتے تو بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تو ہی ہے۔ ان کے دوستوں کو حسرت سے شکایت ناحق ہے وہ غریب تو اب جیل میں ہیں کسی سے کچھ کہتے سنتے نہیں جس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اس کا مددگار اللہ تعالےٰ تو ہوتا ہی ہے۔ چنانچہ میں نے کوئی کوشش کی یا نہ کی۔ خدا کے فضل و کرم سے حسرت کی اپیل بغیر کسی وکیل، بیرسٹر کے منظور ہوگئی اور پیشی پہلی جولائی کو مقرر ہے اگر کوئی پیشی کے دن گیا تو گیا ورنہ جہاں اب تک خود ہی سب سب کچھ کیا کرایا ہے یہ بھی مرحلہ طے کرلیں گے خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غالباً غزلیں، النظامیہ کو بھیج دی ہوں گی۔ النظامیہ کل میرے نام آیا۔ میں نے کل ہی حسرت کو بھیج دیا ہے۔ میری جانب سے ان کو شکریہ!

اور کیا عرض کروں، باقی ادب! نعیمہ تسلیم گزار ہے فقط۔

خادمہ والدۂ نعیمہ

[اقتباس خط حسرت بنام نشاط النساء]

الہ آباد ڈسٹرکٹ جیل۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۶ء

آج میں نے ص ۵ر بذریعہ منی آرڈر مع درخواست نقل بقیہ کاغذات، مسل مجسٹریٹ جھانسی کے نام بھیج دئے ہیں۔ پانچ یا چھ روز میں نقلیں آجائیں گی۔ تمہارے پاس جن جن کاغذات کی نقلیں ہیں وہ تم بالا بالا جر بیرسٹر مقرر ہو اس کو بھیج دینا۔ میرے خیال میں ڈاکٹر سلیمان کو بھیج دو کیوں کہ ظہور احمد کے پاس تو پہلے ہی سے موجود ہیں یعنی تجویز مجسٹریٹ، نقل اعتراضات، اظہار خود فیصلہ جج کی نقل مجھ کو ملی۔ بہت کمزور فیصلہ لکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہائیکورٹ میں کامیابی ہوگی۔

افضال ابھی تک نہیں آئے۔ آزاد صاحب کو لکھ دینا کہ اگر وہ کسی بیرسٹر کو بھیجیں تو اسے ہدایت کردیں کہ قبل مقدمہ وہ مجھ سے جیل میں آکر ضرور مل لے تا کہ میں اسے تمام امور سمجھا دوں، ورنہ اس کا آنا بیکار ہوگا۔

آفتاب عالمتاب موجود ہے یا نہیں ضرور لکھیے۔ فقط!

حسرت

۱۸

از علی گڑھ دفتر اردوئے معلیٰ

۱۳ ۱۶ء

بہ عالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مظلہ العالی۔ تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ ایک زمانے سے کچھ تو اپنی علالت کے سبب اور کچھ عدیم الفرصتی کے باعث نوبت تحریر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

کل حسرت کا جیل سے خط آیا۔ آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے۔ وہ اپنے حال میں خوش ہیں۔ دعا ہے بعافیت رہیں، جہاں بھی رہیں۔

غزل تازہ حسرت موہانی برائے انتظامیہ اکتوبر نمبر ۱۹۱۶ء

دستگیری کا طلب گار ہوں شیئاً للہ — میر بغداد میں نا چار ہوں شیئاً للہ
حالِ دل شرم سے اب تک نہ کہا تھا لیکن — آج میں در پئے اظہار ہوں شیئاً للہ
کرمِ خاص کے لائق تو نہیں میں پھر بھی — آپ کا غاشیہ بردار ہوں شیئاً للہ
آپ ہی سنیے کہ اب اور کہوں میں کس سے — بستۂ دامن سرکار ہوں شیئاً للہ
مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی — غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للہ
پائے رفتن ہے نہ ہے ہند میں جائے اندن — سخت مشکل میں گرفتار ہوں شیئاً للہ
جلوۂ پاک نظر آئے تو بر آئے مراد — تشنۂ شربتِ دیدار ہوں شیئاً للہ
کیا کروں میری دعا بھی تو نہیں ہے مقبول — میں کہ اک فردِ گنہگار ہوں شیئاً للہ

غوث اعظم سے جو مانگو گے ملے گا حسرت
پس کہو حاضر دربار ہوں شیئاً للہ

غزل مندرجہ بالا آپ شہید صاحب کو اکتوبر نمبر "انتظامیہ" کے لیے مرحمت فرمایئے اور میں نے ۲۷ر ستمبر کو ایک غزل "شوق کا آج عرش پہ ہے مزاج" ان کو روانہ کی ہے۔ آپ شہید صاحب سے فرما دیجیے اور کیا عرض کروں۔ حسرت کے حالات بدستور ہیں۔ امید ہے جناب

---

۱۳ یہ خط ۲۷ر ستمبر کے بعد کی کسی قریبی تاریخ میں لکھا گیا ہوا۔

خیریت مزاج سے مجھ خاکسار کو مطمئن فرمائیں گے۔

فقط خاکسار اہلیہ حسرت موہانی

۱۹

از علی گڑھ

۲۶ر نومبر ۱۶ء

بہ عالی خدمت حضرت صاحب قبلہ مدظلہٗ لعالےٰ

تسلیم فدویانہ کے بعد عرض یہ ہے کہ کئی روز سے ارادہ کر رہی رہوں مگر علالت طبع اور [پریشانیاں] مانع رہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ میں پھر دوبارہ، ۷ر نومبر کو آگرہ گئی اور میموریل روانہ کرایا۔ ۷ر محرم کو دفعتاً الہ آباد جیل میں جیلر نے حسرت کے ساتھ خلافِ قاعدہ سختیاں کیں۔۔۔ یعنی ان کا سامان ضروری، لوٹا، جوتا وغیرہ زبردستی لے لیا۔ قواعد جیل بھی حسرت نے دیکھا ہے جس کی رو سے جھانسی جیل میں اور اب تک الہ آباد میں ان چیزوں کے رکھنے کے مجاز تھے مگر جیلر نے صاف کہہ دیا کہ میں سختی کرنے پر مجبور ہوں کیوں کہ شاید خفیہ پولیس رپورٹ کردے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں نے قیدی کے ساتھ کوئی رعایت کی تو میری نوکری جاتی رہے گی، حالاں کہ اس نے کوئی رعایت بجز سختی کے نہ کی تھی۔ کھانا بھی وہی جوار، باجرہ کی مٹی ملی ہوئی [روٹی ملتی ہے] جو درد گردہ کی وجہ سے حسرت کے لیے سخت مضر ہے۔ چنانچہ حسرت نے بھی عہد کرلیا کہ ۷ر محرم سے جھگڑا شروع ہوا ہے، اگر جیلر یزیدی پر آمادہ ہے تو میں بھی بحمد اللہ پیروی حسینؑ کے لیے اچھی طرح تیار ہوں، نتیجہ خواہ کچھ ہو۔ اور روزہ رکھنا شروع کیا۔ برائے نام روزہ صحیح ہونے کے خیال سے پانی پیتے رہے۔ پانچ روز تک ۱۱ر محرم تک مطلق کچھ نہ کھایا۔ یہ واقعات مجھے ایک الہ آبادی صاحب سے معلوم ہوئے تھے...... میں نے جملہ حالات بھی لکھوا کے بھیج دیے جس کا جواب بھی ان کو مل گیا کہ انگریزی میں میموریل دے دیا گیا۔ الہ آباد پہنچ کر جیل کے واقعات پر سے پردہ اٹھے گا۔

[فقط والدہ نعیمہ]

۴۰

ازعلی گڑھ دفتر اردوئے معلیٰ

۲۳ رفروری ۱۷ء

مخدومی مولانا حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالی

تسلیم بصد تعظیم عرض یہ ہے کہ عرصہ ہوا میں نے جناب قطب میاں صاحب کے نام عریضہ بدیں درجہ دریافت خیریت مزاج عالی ارسال کیا تھا۔ انتظار، ا مگر جواب سے ہنوز محروم رہی۔ امید ہے بفضلہٖ تعالیٰ مزاج گرامی بخیر ہوگا اور امید ہے کہ اب اس عریضے کی رسید اور صحتِ مزاج سے مطلع کی جاؤں گی۔

تازہ واقعہ یہ ہے کہ حسرت کا جیل میرٹھ سے آج حسبِ ذیل خط آیا:

''کہ آج ۱۱ بجے دن کے قریب سرپنٹنڈنٹ پولیس میرٹھ ایک اور انگریز کے ساتھ آئے اور کہا کہ گورنمنٹ تم کو رہا کرنا چاہتی ہے مگر اس شرط پر کہ مقام کٹھور ضلع میرٹھ کے کسی بنگلے میں جو لبِ سڑک ہے، نظر بندی کے جملہ قیود کے ساتھ رہنا منظور کرو۔ اُن قیود کی ایک نقل بھی مجھ کو دی۔ گاڑی بھی ہمراہ لائے تھے کہ اگر میں چاہوں تو اس پر کٹھور چلا جاؤں۔ مگر میں نے اِس کو منظور نہ کیا۔ اور انگریزی میں ایک تحریر لکھ کر واپس کردی جس کی نقل بغرض اطلاع روانہ کرتا ہوں۔

انگریزی تحریر حسرت کی نقل یہ ہے جو ۲۰ کو لکھی تھی:۔

''میں اب بھی اپنے ۱۶ء کے اعلان پر ثابت قدم ہوں۔ اور میرا ضمیر اب بھی مجھے قانونِ تحفظ ہند کے کسی حکم کی پابندی کی اجازت نہیں دیتا۔ درآں حالانکہ وہ مجھے کسی نامعلوم اور نامحدود جرم کے لیے سزا دینے کا جویاں ہے جس کی بابت مجھے یقین ہے کہ میں نے نہیں کیا۔ اور یہ کہ وہ مجھ کو حفاظت اور بریت کی کوشش کا بھی موقع نہیں دیتا۔ بہر حال میں یہ کہنا پسند کروں گا کہ اگر میری رہائی بغیر کسی شرط کے ہوگی تو میں جو کچھ گورنمنٹ مجھ سے کرانا

چاہے یا محض افسروں کے وہمی شکوک کو رفع کرنے کے لیے کرانا چاہے
میں کرنے کے لیے بخوشی تیار ہوں۔

سید فضل الحسن حسرت

۲۰ رفروری ۱۷ء ڈسٹرکٹ جیل میرٹھ

میری یہ تحریر غالباً گورنمنٹ کے پاس روانہ کی جائے گی۔ دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بظاہر کچھ امید نہیں معلوم ہوتی بلکہ اندیشہ ہے کہ کہیں دوبارہ عدول حکمی کا مقدمہ نہ قائم کیا جائے۔ خیر جو کچھ ہو، میں نے تو اب اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردیا ہے۔ تم بھی صبر کرو۔ (**افوّض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد**)

مولوی عبدالباری صاحب قبلہ کو خط لکھنا تو میرا اسلام اور سب حال لکھ دینا اور لکھ دینا کہ میں نے اس موقع پر جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اس میں میری خودرائی یا ضد کو ذرا بھی دخل نہیں ہے بلکہ بقول حافظؔ "

بارہا گفتہ ام دبارِ دگرمی گویم
کہ منِ دل شدہ ایں رہ نہ زخودمی پویم

" دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

" آج اڈیٹر 'ہندوستانی' کول [۱۴] کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب نے مسٹن سے مل کر خاص طور پر حسرت کی رہائی کا ذکر کیا۔ جس پر مسٹن نے وعدہ کیا کہ اب بقیہ قید مولانا کی مسترد کردی جائے گی اور علی گڑھ میں رہنے کی اجازت دی جائے گی اگرچہ نگرانی رہے گی اور مکان بھی علی گڑھ میں رہنے کے لیے تجویز ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ، مگر واقعات موجودہ تو اس کے برخلاف ثابت ہو رہے ہیں۔ "

دعا فرمایئے کہ حسرت کو علی گڑھ میں رہنے کی اجازت مل جائے۔ میرٹھ جاتے وقت آپ سے 'حسنِ اتفاق سے' حسرت سے ملاقات وغیرہ کا حال [بھی] حسرت کے خط سے معلوم

---

[۱۴] پنڈت کشن پرشاد کول

ہو کر اطمینان قلب حاصل ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے نعیم باادب تسلیم گزار ہے۔[فقط]
خاکسار فدویہ والدۂ نعیمہ۔

۲۱

از علی گڑھ دفتر اردوئے معلیٰ

۱۸/مئی ۱۷ء/۷ رجب ۱۳۳۵ء

مخدومی و مطاعی مولانا حضرت صاحب قبلہ دام اقبالہ، تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔

عرصہ ہوا میں نے عریضہ ارسال خدمت کیا تھا جس کا دو ہفتے تک انتظار رہا۔ لیکن اب اکرام الحسن کے خط سے معلوم ہوا آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے تھے امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

حسرت بدستور جیل فیض آباد میں ہیں۔ مگر صحت کی خرابی کا سلسلہ نہیں دور ہوتا دعا فرمایئے کہ وہ جہاں کہیں رہیں۔ بہ عافیت رہیں۔ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ میں نے دہلی سے حکیم اجمل صاحب سے دوائی بھی بھجوائی جس کا استعمال کرتے ہیں مگر پیٹ کر خرابی کی تمام شکایتیں نہیں دور ہوتیں۔ روزے بھی برابر اب تک رکھے جاتے ہیں۔ میں نے کئی بار لکھا بھی کہ اب اس عہد کو ترک کر دو گرمیاں ہیں۔ طبیعت اچھی نہیں۔ جواب یہ لکھا کہ تم کسی کو میرے روزے کا حال وغیرہ نہ لکھا کرو اور جس کو لکھا ہے ان کو بھی لکھ دو کہ کسی اور سے تذکرہ نہ کریں۔

تسخیر بغداد کا ماتم نہایت جگر سوز ہے دیکھیے کب اس انقلاب کا دور ختم کر کے [خدا] ہمارے مایوس دلوں کو شادمانی سے پر کرتا ہے۔

آج جناب مولانا سلامت اللہ صاحب کا مرسلہ عنایت نامہ ملا جس میں جناب الطاف الرحمٰن صاحب کی غزلیات حسرتؔ کی غزل پر کہی ہوئی تھیں، خوب ہیں، قصیدہ بھی بہت خوب ہے۔ زخمی صاحب کی بھی غزل پر کہی ہوئی تھیں، خوب ہیں، قصیدہ بھی بہت خوب ہے۔ زخمی صاحب کی بھی غزل تھی۔ میں نے آج ہی حسبِ ارشاد سلامت اللہ صاحب حسرتؔ کو جیل بھیج دیا۔ آپ مولانا سلامت اللہ صاحب سے فرما دیجیے گا۔

النظامیہ کا انتظار ہے کہ۔ کیا اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ معلوم نہیں بغداد والی غزل بھی شائع ہو سکی یا نہیں اور اس سے پہلے جو نظم میں نے حسرتؔ کی ارسال خدمت کی تھی وہ بھی درج

ہوئی یا نہیں؟ میں نے جوابی خط اس لیے لکھا تھا تا کہ اگر الناظمیہ میں شائع نہ ہو سکے تو کسی اور پرچے کو بھیج دوں مگر اس کے جواب سے ہنوز محروم ہوں۔ محمد علی صاحب چندواڑہ کی غزل پہلے [روانہ کر چکی ہوں]۔ مکرر یہ گزارش ہے کہ حسرت کی صحت کے لیے دعا فرمایئے فقط

منتظر خیریت خاکسار والدۂ نعیمہ۔ [۱۵]

غزل حسرت

درسِ حق جاری ہے یاں بھی حسرتِ آزاد کا — قید خانہ مدرسہ گویا ہے فیض آباد کا

کامیابی پر غضب نازاں ہیں ارباب ہوس — ہر طرف ایک شور برپا ہے مبارک باد کا

یہ بھی کیا انصاف ہے اے دشمنِ اہل وفا — ہم رہیں ناکام یوں ہی کام ہو حساد کا

ٹوٹ جائے کیوں نہ ہمت عاشقِ ناکام کی — جب نتیجہ کچھ نہ نکلے کوشش برباد کا

مان لیں گے آپ کی خاطر سے یہ بھی ہم مگر — بھید کچھ کھلتا نہیں ہے آپ کے ارشاد کا

جلوۂ امید گو یا درمیانِ فکر ویاس — اک نمونہ ہے چراغِ رہ گذارِ باد کا

لطف کی نوبت بھی آئے گی کبھی اے ناز یار — ختم بھی ہوگا کبھی یہ سلسلہ بیداد کا

سُن کے ذکر عشق رہ جاتے ہیں ہم اکثر خموش — اب تلک اتنا اثر باقی ہے ان کی یاد کا

شاہِ جیلاں سے یہ حسرت عرض ہے اسلام کی
یوں نہ ہونا چاہیے تھا فیصلہ بغداد کا

غزل جوہر

چند روزہ عیش ہے یہ جنتِ شدّاد کا — فیصلہ ہرگز نہ ہوگا اس طرح بغداد کا

شورِ ماتم کے لیے تیار رکھ گوشِ مراد — ہے شرارِ حسن یہ ہنگامہ مبارک باد کا

اس معمہ کا ہو حل شاید کہ اگلی سرگذشت — بھید کچھ کھلتا نہیں ہے آپ کے ارشاد کا

پہلے بھی اکثر وہ نکلا مستحقِ شکرِ حق — جو کو ہم سمجھے تھے موقع شکوہ و فریاد کا

---

[۱۵] حسرت کی "سقوط بغداد" والی غزل، اور اسی طرح اور اسی موضوع پر محمد علی جوہر کی غزل ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ جس کا خط میں ذکر ہے۔

نورِ حق وہ شمعِ انور، جو بجھ سکتی نہیں
ہے خدا حافظ چراغِ رہگذارِ باد کا
عزمِ عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کوششِ برباد کا
ہم تو سمجھے تھے کہ ہوں گے اور بھی ظلم و ستم
کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا
کر دیا قیدِ قفس نے ہم کو آزادِ چمن
پاس کافی ہو چکا اب خاطرِ صیاد کا
حکم کے آگے تیرے پہلے بھی اٹھ سکتا نہ تھا
بارِ احساں اور سر پر ہو گیا جلاّد کا
دعوت مژگاں کی بھی باقی نہ ہو جس میں سکت
ایسے دیوانہ کے گھر پھر کام کیا فصاد کا
آج تک ہے ایک کنعاں ہی سے شہرت مصر کی
فیض سے حسرت کے ہوگا نام فیض آباد کا
ہو گئے جوہر یہ کیسے بندۂ دامِ فریب
شور سنتے تھے بہت ہم حسرتِ آزاد کا

۲۲

از دفتر اردوئے معلیٰ از علی گڑھ
۱۵/اگست ۱۷ء چہار شنبہ

بعالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ تسلیم فدویانہ قبول فرمائیے۔ آج حسرت کے خط سے معلوم کر کے کہ آپ کی زیارت سے وہ مسرت اندوز ہوئے کمال اطمینان ہوا مگر حسرت نے اپنی کچھ کیفیت نہ لکھی۔ ان کی صحت کا کیا حال ہے امید ہے کہ آپ ضرور مجھے مطلع فرمائیں گے۔ یعنی ان کی حالت خدانخواستہ کچھ خطرناک [یا] تشویش ناک تو نہیں ہے۔ کس قدر کمزور یا بہت دبلے [تو نہیں] ہو گئے ہیں دعا فرمائیے کہ دشمن پائمال اور کامیابی حق و صداقت جلد اپنی مراد کو پہنچے۔

آج حسرت کا ایک مختصر عریضہ بھی ملفوف ہے اس میں انہوں نے کچھ کتابیں طلب کی ہیں۔ بحرِ ذخار اور دلائل الخیرات، امید ہے کہ آپ جیل بھجوا دیں گے اور جناب قطب میاں صاحب کو بھی حسرت نے سلام لکھا ہے اور یہ کہ ایک جلد دیوانِ مغربی ایک جلد [دیوانِ] عراقی ایک ڈبیۂ لالٹین ساخت امریکہ کسی شخص کے ہاتھ مجھ کو جیل میں دستی بھجوا دیجیے۔ جیل کے پھاٹک پر تینوں چیزیں جمع کر دی جائیں گی تو بذریعہ جیلر صاحب مجھ کو مل جائیں گی۔" قیمت جو ہو اس

سے اطلاع دیجیے گا۔ میں بذریعہ منی آرڈر حاضر خدمت کروں گی۔ [فقط]

بیگم حسرت موہانی

۲۳

از علی گڑھ، دفتر اردوئے معلیٰ

۱۰ر مئی [۱۸ء]

بہ عالی خدمت حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالیٰ! تسلیم فدویانہ قبول کیجیے۔

اخبارات سے اور خصوصاً ۱۸ر شعبان کے ''ہمدم'' سے آپ کو حسرت کے واقعات رہائی سے اطلاع ہوگئی۔ جیل سے رہائی پر نظر بندی کا حکم تو نہیں دیا گیا لیکن چوں کہ کچھ شرطیں ابھی اور باقی تھیں اس لیے ان کے فیصلے تک حسرت علی گڑھ نہ آئیں گے۔ ضلع میرٹھ ہی میں رہیں گے مگر اپنی خوشی سے۔ الحمد للہ کہ اب تک تو حسرت کی مرضی کے مطابق کارروائی ہوئی یعنی ۲۱ کو جو تار حسرت کی طرف سے گورنمنٹ کو دیا گیا تھا کہ اگر نظر بندی کا نوٹس حسرت کو دیا گیا تو پھر اس سے انکار کریں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ نہ دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گورنمنٹ نے حسرت کو جواب دیا کہ ''نوٹس نظر بندی منسوخ کر دیا گیا۔'' اب دوسرا مرحلہ علی گڑھ آنے کا باقی ہے۔ دیکھیے میموریل وغیرہ بھیجنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اب جو مرضی خدا کی ہو۔ اگر علی گڑھ نہ بھیجا تو وہی پہلے کی سی صورت پر قائم [رہے گی] یعنی مقدمہ ہوگا اور اس کا نتیجہ پھر کیا ہو خدا کو معلوم۔ مجھے میموریل وغیرہ کا انتظام تار وغیرہ بھجوانا اور پھر شبرات کے سبب جلد مکان واپس ہونا تھا اس لیے صرف حسرت کے پاس کٹھور، جو میرٹھ سے ۱۸ میل دور ہے، صرف ۲۲ر مئی کو دن بھر اور رات بھر رہ کر ۲۳ر کی صبح کو واپس ہوگئی۔ حسرت کمزور بے حد ہوگئے ہیں۔ اب ان کا وزن ۱۱۲ پونڈ رہ گیا ہے شروع میں ۱۵۵ پونڈ تھا۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ دعا فرمائیے کہ جلد خیریت کے ساتھ علی گڑھ لائے۔ امید ہے حضرت کا مزاج عالی بخیر ہوگا۔ باقی خیریت ہے۔

خاکسار فدویہ والدہ، نعیمہ

مندرجہ بالا خط میں ہمدم کی جس خبر کی طرف اشارہ ہے وہ یہ ہے۔

''ہمدم کے ایک معتبر نامہ نگار اپنی ۲۳ر مئی کی چھٹی میں اطلاع دیتے ہیں

کہ ۲۲ر مئی ۱۹۱۸ء کو صبح کے وقت ۲-۱۷ بجے مولانا فضل الحسن صاحب حسرت موہانی دو سالہ میعادِ قید محض ختم ہونے پر میرٹھ جیل سے رہا کر دیے گئے۔ اس موقع پر کلکٹر بہادر ضلع و صاحب سپرنٹنڈان پولیس و جیل بھی موجود تھے۔ اور جیل کے اندر ہی مولانا کو حکم نظر بندی من جانب گورنمنٹ سنا دیا گیا۔ چنانچہ جیل سے نکل کر وہ مع اپنی بیگم صاحبہ و صاحب زادی اور ایک عزیز کے بہ سواری تانگہ سیدھے قصبۂ کٹھور ضلع میرٹھ کو روانہ ہو گئے جہاں ڈاک بنگلے میں مولانا کے قیام کی تجویز کی گئی ہے۔

''میرٹھ سے مولانائے ممدوح کی روانگی بالکل پرائیوٹ تھی۔ البتہ پولیس کی ناکہ بندی ایسی تھی جو بڑے جلسوں کے موقع پر ہوتی ہے..... سواری کا انتظام بھی اچھا نہ تھا...... معمولی تانگے میں علاوہ اسباب و کوچبان کے چار مسافروں کا گھنٹوں تک بیٹھنا اور ایسی سخت گرمی کے موسم میں اٹھارہ میل کا سفر دھوپ اور لُو میں کرنا جیسا کچھ تکلیف دہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے۔ اور سواری کا کرایہ جب مولانا حسرت کو ادا کرنا پڑا، تو ان سے دریافت کر لینا چاہیے تھا کہ وہ کس طور سے جانا پسند کریں گے۔

''......مولانا کے مشیرِ قانونی قاضی بشیر الدین احمد صاحب بی اے، ایل، ایل بی وکیل میرٹھ مشورہ و امدادِ [قانونی کے لیے] اور حاجی محمد اسحاق خاں صاحب سمجھانے اور ہمدردی ظاہر کرنے کے لیے دروازۂ جیل پر موجود تھے۔''

ہمدم: ۲۹ر مئی ۱۹۱۸ء مطابق ۱۸ شعبان ۱۳۳۶ھ ص ۲

۲۴

ہماری محترم بہن بیگم صاحب حسرت موہانی اپنے ایک تازہ گرامی نامے میں لکھتی ہیں۔ [اڈیٹر ہمدم]

ہمدم کے خاص نامہ نگار کی تحریر سے [جو ۲۹ر مئی کے اخبار میں شائع ہوئی ہے] چونکہ

غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے اس امر کی اطلاع ضروری ہے کہ حسرت نے گورنمنٹ سے قیام علی گڑھ کی اجازت طلب کی ہے اور اس درخواست کا حسب مراد جواب آنے تک حسرت نے عارضی طور پر کٹھور ضلع میرٹھ میں رہنما منظور کیا ہے۔ اور وہ بھی اپنی خوشی سی۔ اس لیے قانون تحفظ ہند کے ماتحت جو نوٹس ان کے خلاف ۲۲رمئی کو جاری ہونے والا تھا اس کو گورنمنٹ نے از راہ عنایت منسوخ کر دیا ہے۔

[نوٹ ہمدم]

ہماری بہن خاص نامہ نگار ہمدم کی تحریر سے غلط فہمی پیدا ہونے کا جو اندیشہ ظاہر کرتی ہیں، وہ ہمارے خیال میں بے جا ہے۔ کیوں کہ ہمارے خاص نامہ نگار نے مولانا حسرت کی رہائی کے وقت کے جو حالات لکھے ہیں، وہ بالکل درست ہیں۔ اور یہ واقعہ بعد میں پیش آیا ہے کہ مولانا حسرت نے جب میرٹھ جیل میں احکام نظر بندی کو قبول نہیں کیا اور ان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تو لوکل گورنمنٹ نے بعد میں بذریعہ تار ان احکام کی تنسیخ کا حکم بھیج دیا۔

یہ تنسیخ احکام نظر بندی ہمارے لیے بہت کچھ طمانیت بخش ہے اور ہم لوکل گورنمنٹ سے مودبانہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ اب مولانا حسرت کے متعلق نظر بندی کے سلسلے کو بالکل ختم کر دے اور اس بارے میں کسی مزید احکام کے اجراء کا ارادہ نہ کرے۔ [16]

[حسرت کی دوسری اسیری کی داستان کو، حالات حسرت، کے اقتباس پر ختم کرنا نامناسب نہ ہوگا۔ یہ کتاب حسرت کی رہائی کے ساتھ ہی ساتھ شائع ہوئی تھی۔ ع ص]

''مولانا میرٹھ میں عرصے تک اس حالت میں قیام فرما رہے کہ گورنمنٹ کے عائد کردہ قیود سے ان کو کوئی واسطہ نہ رہا صرف اپنی خوشی سے اس بات کا لحاظ رکھا کہ کسی قسم کی شکایت حکومت کو نہ پیدا ہو لیکن خدا معلوم کن وجوہ

[16] ہمدم: ۹رجون ۱۹۱۸: ص ۲

کی بنا پر حاکم ضلع میرٹھ کی یہ خواہش رہی کہ وہ میرٹھ میں نہ رہیں۔ یا تو کٹھور میں چلے جائیں یا اپنے وطن۔ مولانا کٹھور جانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ وطن اسی شرط کے ساتھ جانا چاہتے تھے کہ راستے میں دو ایک روز کے لیے علی گڑھ میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر اس میں بہت تشویش ہوئی۔ زبانی آنریبل مرزا اسمیع اللہ بیگ سے چیف سکریٹری حکومت صوبہٗ متحدہ نے وعدہ کر لیا مگر عرصے تک اس کی باضابطہ تکمیل نہیں ہوئی۔ غرض کہ اسی وجہ سے بہت عرصے تک مولانا کو میرٹھ میں قیام کرنا پڑا اور بعض اوقات کچھ ایسی صورتیں پیدا ہو گئیں کہ مولانا کو خیال ہوا کہ پھر از سرِ نو وہی ابتدائی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی لیکن بفضلہٖ یہ نوبت نہیں آنے پائی اور مولانا میرٹھ سے اپنے وطن موہان چلے گئے۔" ۱۷

۱۷ حالاتِ حسرت: متذکرہ ص ۶۵۔

دوسرا حصّہ

جنوری ۱۹۲۳ء تا مئی ۱۹۲۴ء

حسرت روڈ۔ کان پور

۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ [۲۹ جنوری ۱۹۲۳ء]

بعالی خدمت حضرت مولانا مدظلہ العالی

[بعد] تسلیم بصد تعظیم عرض خدمت عالی ہے کہ عرصہ دراز کے بعد آج خیریت ان کی [حسرت کی] معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ تازہ غزل جناب کی خدمت میں بھیجنے کی تاکید اور خدمت میں سلامت عرض کیا ہے اور عرض کیا ہے کہ ''ہمیں مطلوبہ کتب کی سخت ضرورت ہے کوشش فرما کے کان پور بھجوا دیجیے۔ میں جلد یہاں منگوالوں گا۔'' 'دیوان برق' جس کو جناب نے عنایت فرمایا تھا۔ عاریۃً ملا۔ انشاء اللہ اس کی کافی احتیاط کروں گی اور آپ کو بعد فراغت واپس مل جائے گا۔ عشرت صاحب صرف دو دیوان — دیوان مشتری اور [دیوان] حاتم ۱۰ میں دیے اور ان کے پاس سے فہرست ضائع ہوگئی۔ لہٰذا میں دوسری نقل فہرست کتب بھیجتی ہوں اور فوراً عشرت صاحب کو بلا کر دے دیجیے اور میری جانب سے فرما دیجیے کہ مولانا [حسرت] کے کتب کے تبادلے میں جو میرے یہاں فروخت ہوئی ہیں اُس کی فہرست بھی ملفوف ہے آپ ضرور بالضرور مطبوعہ کتب تلاش کر کے بھجوا دیجیے [قیمتاً] یا عاریۃً، غرضے کہ جس طرح بھی ممکن ہو کوشش فرمائیے یا [ممکن ہے] ظفر الملک صاحب کے یہاں ملیں۔ یحییٰ کہتے تھے کہ شاید ان کے یہاں بھی ہیں۔

اور جناب سے عرض یہ ہے کہ نعیمہ سلمہا کے وضع حمل کے لیے تعویذ ضرور مرحمت فرما

دیجیے۔ اب وضع حمل کے دن شروع ہیں نواں مہینہ ہے۔ اس لیے خواہ کمر میں باندھنے کے لیے یا جہاں آپ ہدایت فرمائیں تا کہ وضع حمل میں آسانی ہو اور بچے کے گلے وغیرہ میں ڈالنے کے لیے بھی تعویذ فرحمت فرمائیے اور دعا فرمائیے نعیمہ سلمہا مع بچہ کے بفضلہٖ تعالیٰ تندرست اور اچھی رہے۔

امید ہے کہ مزاجِ اقدس بخیر ہوگا۔ اس مرتبہ کیا آپ خلافت کانفرنس اور علماء کانفرنس کسی میں تشریف نہ لے جاسکے؟

مکرّر گزارش ہے کہ کتب کی فراہم کا خیال ضرور رکھیے اور تعویذ بھی ارسال فرمائیے سب کی خدمت میں تسلیم عرض ہے۔ [فقط]

خاکسار بیگم حسرت موہانی

غزل مولانا حسرتؔ موہانی

میرا ایمان عجب کیا ہے جو ایمان تصوف ہے — تصوف جانِ مذہب عاشقی جان تصوف ہے
گناہ اپنا نہیں ثابت خطا کے پھر بھی ہیں قائل — ادب کا ہے یہی شیوہ یہی شانِ تصوف ہے
ادب اک دوسرا ہے نام عشقِ روحِ پرور کا — جو رامِ عشق ہے جو زیرِ فرمانِ تصوف ہے
تعلق حسن و حق[1] میں بھی ہے العشق ہو اللہ کا — یہی تو اصل دیں ہے ورنہ پنہانِ تصوّف ہے

گذر کر راہِ پیچا پیچ قدر و جبر سے حسرتؔ
یقیں اپنا مقیم شہر عرفانِ تصوف ہے

فہرست کتب مطلوبہ مولانا حسرت موہانی از جیل

۱۔ سیر المتاخرین۔ سخت ضرورت ہے اگر وہ کہیں سے عاریتاً بھی مل سکے تو ضرور بھیج دی جائے۔

۲۔ دیوان قبول مطبوعہ

۳۔ دیوانِ مسیحا مطبوعہ

۴۔ دیوانِ صغیر مطبوعہ

---

[1] العشق ہو اللہ کی طرح العشق ہو الحق بھی رموز تصوف میں سے ہے (حسرت)

۵۔ اول شاد پیرو میر [کذا] دیوانِ دوم کی ضرورت نہیں۔

۶۔ اوّل جلال۔ دوم سوم کی ضرورت نہیں۔

۷۔ منتہی مطبوعہ

۸۔ آغا حجو شرف مطبوعہ [دیوان]

۹۔ امانت مطبوعہ [دیوان]

۱۰۔ شرم مطبوعہ [دیوان]

۱۱۔ اسد شاگرد اسیر مطبوعہ [دیوان]

۱۲۔ نظام رام پوری مطبوعہ [دیوان]

۱۳۔ مشتری اُردو مطبوعہ [دیوان]

۱۴۔ خورشید مطبوعہ [دیوان]

۱۵۔ تاریخ اودھ مصنفہ نجم الغنی رام پوری یا کسی اور کی۔ دیوانِ برق اور دیوانِ عالم مل گئے۔

بیگمِ حسرت موہانی

۲

از کان پور

۳۰؍شوال ۱۳۴۱ھ [۱۴؍جون ۱۹۲۳ء]

بعالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالی

[بعد] تسلیم بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ عرصہ ہوا [حسرت کی] خیریت معلوم ہوئی تھی اس وقت خاص طور پر آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا تھا اور حسب ذیل غزل ارسال کرنے کی درخواست کی تھی]۔ غالباً عرس بانسہ شریف تشریف لے گئے ہوں گے۔

آپ ہمدم کو بشرطیکہ صحت کے ساتھ چھپے [غزل] مرحمت فرما سکتے ہیں۔

خارجاً معلوم ہوا کہ غالباً مولانا کا اب حیدر آباد سندھ جیل میں تبادلہ کر دیا گیا۔ میں نے سپرنٹنڈنٹ یرودا جیل سے دریافت کیا ہے۔ مگر جواب ندارد۔ خیر خدا مالک ہے۔ دعا فرمائیے بخیریت ہوں۔ نعیمہ سلمہا تسلیم گذار ہے۔ عبدالولی رضوان الحسن سلمہ بفضلہٖ بخیریت ہے۔

سرکاری مراسلہ جو حال ہی میں شائع ہوا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

اہلیہ حسرتؔ موہانی

۳

بنگلہ سیٹھ چھوٹانی پونا

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ [۲۸ جنوری ۱۹۲۴ء]

جناب عالی تسلیم مزاجِ اقدس۔ گرامی نامہ ۱۳؍ جمادی الثانی کا صادر ہوا خیریت مزاج وحالات معلوم کر کے اطمینان ہوا۔ مولانا کی تاکید ہے کہ جب تک میں نہ کہوں نہ جانا۔ دوسرے یہاں میں نے سیف الرسول (وارڈر) کی اپیل ہائی کورٹ میں وکیل بیرسٹروں کی رائے سے ۲۲؍ دسمبر کو بمبئی ہائی کورٹ میں دائر کر دی ہے۔ ممکن ہے اس پر دفعہ ۱۶۱ ؍رشوت والی اڑا دی جائے تو مولانا کو بھی اس سے فائدہ ہوگا۔ رشوت کا قصہ بالکل لغو جھوٹ سراسر خلاف قاعدہ و قانون چلایا گیا ہے۔ ابھی تاریخ پیشی نہیں معلوم ہوئی غالباً ۶؍ فروری کو ہوگی۔ اگر فیصلہ ٹھیک ہوا تو مجسٹریٹ کی صریح بے ایمانی کا راز کھل جائے گا۔ خیر۔ علاج برابر کر رہی ہوں میرے مرض کے لیے بجائے کان پور کے پونہ کی پہاڑی آب و ہوا ڈاکٹروں کی رائے سے مفید ہے۔ دوسرے یہ بنگلہ بھی شہر سے دور بنا ہوا ہے۔ پہلے کے بہ نسبت صبح کے وقت طبیعت کسی قدر صاف رہتی ہے باقی جو خدا کی مرضی اِس میں کسی کا کیا دخل۔ مولانا [حسرت] نے سلام عرض کیا ہے اور جناب قطب میاں کو خاص طور پر سلام لکھنے کی مجھے تاکید ہے۔ آپ ان سے فرما دیجیے۔ اور اس مرتبہ بھی چند تازہ غزلیات بغرض ملاحظہ ارسال کرنے کی ہدایت کی ہے چنانچہ بعد ملاحظہ ا۔ ۲۔ الناظر، کے لیے ظفر الملک صاحب کے پاس نقل بھجوا دیجیے گا۔ اور صحیح چھپنے کی تاکید۔ اب تک مولانا کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ جیل کا برتاؤ نہایت سخت ہے بلکہ روزانہ کوئی نہ کوئی شرارت کرتا رہتا ہے۔ حال میں مزید لغویت یہ کی ہے کہ برش، آئینہ سرمہ، قرآن شریف رکھنے کا تختہ حتٰی کہ پانی کا گھڑا تک اٹھوالیا ہے۔ پانی کی بھی قلت ہے۔ روٹی ایک صبح کو گیہوں کی ملتی ہے وہ بھی بند، جوار باجرہ مٹی ملی ہوئی۔ ترکاری خراب ملتی ہے۔ سب سزائیں اس لیے روزانہ دی جاتی ہیں کہ کام کیوں نہیں کرتے۔ مگر مولانا بھی اپنے دُھن کے پکے ہیں ان کو کسی بات سے خوف نہیں۔ برابر سے مقابلہ کرتے ہیں۔

مگر مجھے کسی قدر تردّد پیدا ہو گیا ہے جب سے مجھے معتبر ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ ایک سال سے زائد قیدِ تنہائی اس پر مزید سختیاں اور لکھنا تو درکنار ہے، پڑھنے کے لیے ایک کتاب بھی معمولی ان کو سنسر شدہ بھی جو گورنر کے دفتر سے واپس آئی ہیں سپرنٹنڈنٹ نہیں دیتا، ان کے دماغ پر خراب اثر خدانخواستہ پڑنے لگا ہے۔ دعا فرمایئے کہ دماغی حالت صحیح رہے اور صحیح سلامت اللہ تعالیٰ ان کو ظالموں کے ظلم سے رہا کر دے۔

نعیمہ، رضوان الحسن سلمہ، عبدالسمیع بفضلہٖ بخیریت ہیں اور آداب گذار ہیں۔ امید ہے خیریت مزاج سے جلد اطلاع دیجیے گا۔ فقط

اہلیہ حسرتؔ موہانی

۴

از پونا

۲۶ رجمادی الثانی ۱۳۴۲ھ [۴ رفروری ۱۹۲۴ء]

جناب حضرت صاحب قبلہ مدظلہ العالی۔ تسلیم مزاج شریف۔ ایک عریضہ ۲۳ کو روانہ کر چکی ہوں جس میں چار غزلیں تازہ ملفوف تھیں اور الناظر کے دینے کے لیے میں نے تحریر کیا تھا امید ہے کہ آپ کو عریضہ ملا ہو گا اور آپ نے ملاحظہ فرما کر الناظر کو تحریر شدہ روانہ کر دی ہوں گی۔ آج ایک فارسی غزل مع سلام کے اور بھیجنے کی ہدایت [کی] ہے ملاحظہ کے لیے اور جلد سے جلد صحیح نقل کرا کے یہ سید سلیمان صاحب ندوی معارف اعظم گڑھ کو ضرور مہربانی کر کے بھجوا دیجیے امید ہے مزاج بخیر ہو گا۔ میرا حال بدستور ہے۔

خلافت کی جنرل میٹنگ ۵ رفروری کو ہو گی۔ مولانا نے تار حکیم صاحب، عنایت حسین صاحب اصغر صاحب کو شروع جنوری میں روانہ کیے تھے کہ کسی طرح اسٹور ٹوٹنے نہ پاوے میں نے بھی تاکیدی خطوط لکھے تھے۔ نتیجہ خدا معلوم۔

اہلیہ حسرتؔ موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے روئے تو بے نقاب محجوب   پنہاں شدنت در گورنہ شد خوب

پشت چہ شود، گرم شمارند | ور زمرۂ بندگانِ معتوب
ماگام زنِ صراطِ مستقیم | دو راز رہِ ضالّین و مغضوب
یا بے خبرانِ ہوشیار یم، | منجملہ سالکانِ مجذوب
منتِ کشِ دیگراں نخواہش | آں راکہ تبوشدہ است منسوب
بوسیدہ کفِ تو گشتِ لرزاں | از بہمن بہ ہوائے شوق مکتوب

حسرت بہ غزل چو شمس تبریز
باشد سخنش تو نغز و مرغوب

۵

از پونا

شنبہ۲ [ب۔ت]

بعالی خدمت جناب حضرت صاحب قبلہ۔ تسلیم مزاج اقدس۔ میرا عریضہ ۲ر فروری کا آپ کو ملا ہوگا اسی میں بھی میں نے مولانا کے حسب ہدایت غزلیات اور سلام، مع قطب میاں صاحب۔ کے سلام کے [لکھا تھا]۔

آپ نے غزل ملاحظہ فرما کر الناظر کو بھجوادی ہوگی اور اس سے قبل بھی عریضہ ملا ہوگا۔ اس کی غزلیں بھی ملاحظہ فرما کر ہمدم کو بھجوادی ہوں گی آج بھی مع آپ کو سلام اور قطب میاں کے سلام کے بعد کلام تازہ ارسال ہے۔ جس کو آپ مناسب سمجھ کر ہمدم وغیرہ کو اشاعت کے لیے بعد ملاحظہ نقل دے دیجئے۔ امید کہ مزاج آپ کا بخیر ہوگا فقط۔

خاکسار بیگم حسرت موہانی

۶

پونا

سہ شبہ [ب۔ت]

جناب عالی۔ مزاج اقدس۔ مولانا کا سلام قبول فرمایئے۔ اور مرسلہ غزل ملاحظہ کے

لیے بھیجی ہے۔ مولانا کے حالات آپ کو اخبارات سے معلوم ہوتے رہتے ہوں گے بعض کا اپیل ہائیکورٹ میں دائر ہو گیا۔ ابھی تاریخ پیشی نہیں معلوم ہوئی۔ میری طبیعت اچھی ہے مگر مجبوراً انہیں معاملات کی وجہ سے یہاں کا قیام ضروری ہے۔ اسٹور کان پور کی حالت تباہ ہے اور بھی ہر طرح کے نقصانات ہو رہے ہیں۔ دعا فرمایئے اب جلد مولانا آزاد ہو جاویں۔ میں اپنی بیماری سے بہت عاجز آ گئی ہوں۔ معلوم نہیں خدا کو کیا منظور ہے۔ امید ہے حضور کا مزاج بخیر ہوگا۔ نعیمہ، رضوان، سمیع سب یہاں بفضلہٖ بخیریت ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ فقط

خاکسار بیگم حسرتؔ موہانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام اے شبہِ بشیر و نذیر ‏ داعی و شاہد و سراجِ منیر
آرزو ہے کہ نام پاک حضورؐ ‏ کاش وردِ زباں ہو وقتِ اخیر
بہ طفیلِ صغیرِ ذرۂ عشق ‏ محو سارے ہوئے گناہِ کبیر
تم نے کیونکر کیا دلوں کا شکار ‏ ہے بظاہر کمان پاس نہ تیر
اب نہیں حسن کو لگاؤ سے لاگ ‏ کر گئی کام شوق کی تاثیر
کوچۂ یار میں ہیں سب، یکساں ‏ بادشاہ و گدا امیر و فقیر
نالۂ دِل میں تھا غضب کا اثر ‏ ہل گئی جس سے عرش کی زنجیر
دلِ عاشق ہے سوزِ جاں کا ہلاک ‏ جانِ عاشق ہے دردِ دل کی اسیر!

روٹھ کر اب وہ من چکے حسرتؔ
بن چکی تم سے وصل کی تدبیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر دم رضائے یار سے نزدیک ہم رہے ‏ امیدوار وعدۂ یعطیک ہم رہے
تحریکِ حریت کو جو پایا قرین حق ‏ ہر عہد میں معاون تحریک ہم رہے
خلقِ خدا کو مان کے شرکت کا مستحق ‏ درباب ملک منکر تملیک ہم رہے
دشوار تھا بغیر یقیں روح کا سکون ‏ اچھا ہوا کہ دشمنِ تشکیک ہم رہے

ہر حالِ ہر خیال میں ہر اعتبار سے
حسرت مطیعِ عشق رہے ٹھیک ہم رہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شوق کہاں آرزوئے شوق ہے — جس سے جہاں مست مئے ذوق ہے
درجہ تیرے عشقِ فسوں کار کا — حسن کے رتبہ سے بھی مافوق ہے

گردنِ حسرت میں پڑے امتیاز
خوب غلامی کا تیری طوق ہے

حسن کے ہم ہلاکِ دید بھی ہیں — یعنی شاہد بھی ہیں شہید بھی ہیں
خانہ زادِ جفائے مخصِ دوست — طالب شدتِ مزید بھی ہیں
باوجودِ علائقِ کثرت — عصرِ توحید کے وحید بھی ہیں
ہوش گم کردۂ سبیل رشاد — عقل کے پیر و رشید بھی ہیں

کامیاب مرادِ غم حسرت
شادی شوق کے مرید بھی ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زابرِ سفید آب رحمت چکد — ز سبز اہل دل را محبت چکد
سفید ابرپا کان وینا بود — چو سبز آید از ذکر مولا بود

ہم کہیں تا کجا حدیثِ نیاز — جب سنے بھی کہیں وہ دلبر ناز
عشق طاعت گذار ہو کہ نہ ہو — حُسن ہر حال میں ہے بندہ نواز
رہ گئے ذات حق میں ہو کے فنا — اب نہ ہم ہیں نہ دل نہ سوز نہ ساز
دولتِ آرزو سے مالا مال — دِل عاشق ہے اک دفینۂ راز
خونِ دل سے وضو کریں تو کہیں — بن پڑے جاکے عاشقوں کی نماز

ماورائے عراق و شام و حجاز ہند وایراں ہیں خاص مسکنِ عشق
دیکھیے دل پہ کیا بنے حسرت
عشوہ گر حُسن عشق ہے جانباز

تخمیس مطلع عراقی

نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے آشنائی دو جہاں سے منہ کو موڑا تیری یاد کیا لگائی
مجھے صوم سے ملا کچھ نہ نماز راس آئی صنمارہِ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ دراز و دور بینم رہِ رسمِ پارسائی

[غزل]

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا کہ یہ شیو نہیں اہل رضا کا
طلب میری بہت کچھ ہے مگر کیا کرم تیرا ہے اک دریا عطا کا
کہاں تک ناز اٹھائے آخر اے حسن ہوس تیرے مزاجِ خود ستا کا
نہیں معلوم کیا اے شاہِ خوباں تجھے کچھ حال اپنے مبتلا کا
بجائے اِسمِ اعظم آپ کا نام وظیفہ ہے میرا صبح و مسا کا
غضب کا سامنا ہے عاشقوں کو دیار حق میں افواجِ بلا کا
نثار ان پر ہوئے اچھے رہے ہم تقاضا تھا یہی خوئے وفا کا
گنہگار و چلو عفوِ الٰہی بہت مشتاق ہے عرض خطا کا
تری محفل میں اہل دل کو جلوہ نظر آجائے گا شانِ خدا کا
اٹھایا ہے مزہ دل نے بہت کچھ محبت کے غمِ راحت فضا کا
جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرت
تمہیں حق ان سے کیا چون و چرا کا

۷

ازکان پور
۵رشوال ۱۳۴۲ء[۱۰رمئی ۱۹۲۴ء]

جناب علی۔ تسلیم مودبانہ کے بعد ضروری عرض یہ ہے کہ مولانا کا جیل سے خط آیا ہے انہوں نے سلام کے بعد آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ جلد از جلد توجہ فرما کر حسب ذیل پتہ پر ایک نسخہ کتاب مناقب رزامتیہ اور اس کے ہمراہ وہ عربی رسالہ ضرور بھیج دیجیے جس میں حالات وصال مرشدی حضرت شاہ عبدالوہاب قدس اللہ سرہ العزیز درج ہیں۔ ضرورت اور انتظار سخت ہے۔ چونکہ مولانا کو اب جیل میں کتابیں اور رسالہ دیکھنے کی اجازت مل گئی ہے اس لیے اب انہوں نے تالیف و تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا ہے چنانچہ کتابوں کی اسی وجہ سے اور سخت ضرورت ہے۔ میں ۲۲راپریل کو یہاں آ گئی۔

خاکسار اہلیہ حسرت موہانی

۸

[حسرت کی آخری] سیری کے دوران میں نشاط النساء نے پونا سے جو خطوط لکھے تھے، یہ خط اس سلسلے کی آخری کڑی ہے، اور حسرت کی رہائی سے پورے چار ماہ قبل روزنامہ ہمدم (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا۔ اگرچہ اس کی شکل خط کی نہیں ہے، تاہم اس کے مضمون سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تحریر نشاط النساء ہی کی تھی۔

مولانا حسرت کے ساتھ جیل میں بدسلوکی

خاص برتاؤ کے اعلان کی حقیقت

محترمہ بیگم صاحبہ مولانا حسرت موہانی صاحب پونا سے تحریر فرماتی ہیں کہ ۲۳رمارچ کو

مولانا کے پاس جیل میں گورنر بمبئی کا حکم آیا کہ آپ اسپیشل قیدی کر دیے گئے ہیں اور [سزا] قید سخت سے قید محض کر دی گئی ہے۔"

چنانچہ اسکی اطلاع جب ۲۸ [مارچ] کو مجھے ہوئی تو میں نے قاعدے کے مطابق کھانا جیل بھجوایا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ جیل نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "ہم کو آرڈر [باہر سے] کھانا لینے کا نہیں ہے۔ کھانا لے جاؤ۔" حتی کہ پھل اور میوے وغیرہ بھی سب واپس کر دیا۔ اور رات کو بدستور تاریک کوٹھری میں اب بھی بند کیے جاتے ہیں کتابیں اور رسالے وغیرہ جو میں نے جیل میں جمع کرائے تھے، وہ بھی سپرنٹنڈنٹ نے [مولانا کو] دینے سے انکار کر دیا۔

مولانا کو جب معلوم ہوا کہ کھانا واپس کر دیا گیا ہے، تو اس وقت سے، آج چار روز ہوئے کھانا قطعاً ترک کر دیا ہے۔ یعنی جیل کا کھانا لینے سے [بھی] انکار [کر دیا ہے]۔

"ملازمان جیل کی اتنی ہمت نہ [ہو سکتی] تھی کہ گورنر کے حکم کے خلاف ایسی حرکت کرتے۔ مگر جب حکومت ہی کا منشا، مولانا کو بدستور تکلیف میں مبتلا رکھنا ہے، تو اس کا کیا علاج!......[۳]

رہائی کی خبر ——

مولانا حسرت موہانی رہا کر دیے گئے

بمبئی ۱۲ر اگست [۱۹۲۴ء] مولانا حسرت موہانی کل شام کو یروداجیل سے بمبئی لائے گئے۔ رات کو آپ بائی کلا کے ایک مکان میں رکھے گئے۔ آج سہ پہر کو انہیں قیدیوں کی گاڑی میں بوری بندر اسٹیشن پہنچایا گیا۔ مولانا حسرت موہانی فوراً کان پور، روانہ ہو گئے۔......[۴]

---

[۳] ہمدم (لکھنؤ): ۲۴ر اپریل ۱۹۲۴ء

یہ خاصا طویل خط ہے۔ لیکن کتابت و طباعت کے نقائص نے پوری عبارت نقل کرنا ناممکن بنا دیا ہے۔

[۴] ہمدم (لکھنؤ): ۱۴ر اگست ۱۹۲۴ء

☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفرنامۂ عراق

نوشتہ

مرحومہ بیگم حسرت موہانی

حسرت موہانی

پیش لفظ

عراق و حجاز کا دل چسپ سفرنامہ جس کو ۳۵ [۲] و ۳۶ء میں مرحومہ بیگم حسرت موہانی نے خطوط کی شکل میں اپنی بیٹی نعیمہ بیگم کو لکھ بھیجا تھا۔ اب ان کے انتقال کے بعد بطورِ یادگار اردوئے معلی میں شائع کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ ۱۳۵۰ء مطابق ۳۲ء میں راقم الحروف نے پہلا حج تنہا کیا جو اتفاق سے حج اکبر واقع ہوا۔ اس کے بعد ہر سال مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی حاضری بالالتزام بیگم حسرت اور ان کے نواسے رضوان کی معیت میں ہوتی رہی۔ ۱۹۳۴ء میں نعیمہ بیگم بھی مع اپنی چھوٹی بچی انیسہ کے ہمراہ تھیں۔ ۱۹۳۵ء میں نعیمہ بیگم کی بڑی لڑکی نفیسہ بھی ہمراہ تھی۔

سفرنامہ حجاز میں اُس سال کے سفرِ حج کا حال لکھا گیا ہے [جب] ۱۹۳۶ء میں سفرِ حج کی آمد و رفت خشکی کے راستے سے عراق ہو کر ہوئی۔ سفرنامۂ عراق میں تذکرہ اسی سفر کا ہے۔

افسوس کہ ۱۹۳۷ء میں بیگم حسرت کی شدید علالت کے باعث راقم بھی حج کے زمانہ میں حاضری مکہ سے محروم رہا۔ تاہم ان کی وفات کے بعد، جو ۸ر اپریل ۳۷ء مطابق ۲۵ ر محرم

---

[۱] مندرجہ ذیل عبارت اردوئے معلی میں "پیش لفظ" کے عنوان سے نہیں بلکہ "تنقید رسائل کتب" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ (ع،ص)

۲۔ اس سفرنامے میں کوئی خط بھی ۱۹۳۵ء کا نہیں ہے پہلے خط پر یکم فروری ۱۹۳۶ء کی تاریخ درج ہے اور یہ روانگی سے قبل کراچی سے لکھا گیا تھا۔

(ع۔ص)

۱۳۵۶ھ کو واقع ہوئی، مکہ معظمہ میں بتاریخ ۲۲ رمئی عمرہ ادا کرنے کے بعد حاضریٔ مدینہ منورہ کی سعادت نصیب ہوئی اور بحمد اللہ کہ سالانہ زیارت روضہ رسول کے عہد میں فرق نہ پڑا بمصداق:

مدینہ چلو کیوں نہ ہر سال حسرت
بلائیں جو خود تاجدارِ مدینہ

چونکہ اس سال سفر حجاز کا اتفاق زمانہ حج کے بعد ہوا تھا اس لیے جہاز راستے میں بہاؤ نگر، مکلا، عدن اور پورٹ سوڈان میں ٹھہرتا اور مال اتارتا چڑھاتا ہوا جدے بہت دیر میں پہنچا، اوران سب مقامات کی سیر کا اچھی طرح موقع ملا۔ مندرجہ ذیل خط عدن سے روانہ کیا گیا۔

تازہ غزلیات حسرت موہانی درنامہ حسرت

از عدن ۱۳ رمئی ۳۷ء

عزیزہ نعیمہ سلمہا! بعد دعا کے معلوم کرو کہ ہم نے ایک کارڈ ۳ رمئی کو روانگی جہاز کے وقت بمبئی سے بھیج دیا تھا۔ غالباً ملا ہوگا۔ خیال تھا کہ بی بی[۳] کے بال جنت البقیع میں دفن کر سکنے کے علاوہ ایک فائدہ سفر حجاز سے یہ بھی ہوگا کہ طبیعت کو کسی قدر سکون بھی حاصل ہو جائے گا۔ یعنی جس طرح کہ کان پور میں ہر وقت بے دلی اور اداسی کا غلبہ رہتا تھا وہ بات جاتی رہے گی۔ مگر تجربے سے معلوم ہوا کہ یہ خیال بالکل غلط تھا۔ چار سال تک متواتر بی بی اور رضوان وغیرہ کے ہمراہ سفر کرنے کی وجہ سے اس بار تنہائی حد درجہ شاق گذر رہی ہے۔ بات بات میں اور قدم قدم پر سالہائے گزشتہ کی باتیں یاد آتی ہیں اور ہجوم غم سے دل کا عجب حال ہو جایا کرتا ہے۔

اس درمیان میں ایک عجیب بات یہ محسوس ہوئی کہ باوجود ہر وقت خیال میں رہنے کے ۸ راپریل سے لے کر ۱۱ رمئی تک بی بی ہم کو خواب میں نظر نہ آئیں۔ چنانچہ اس دن یعنی ۱۱ رمئی کو ہم نے جو غزل کہی اس کے مطلع میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے۔

وجہ کیا خواب میں نہ آنے کی ، شرم اُنہیں ہو نہ روٹھ جانے کی
رشک باقی ہے اب نہ کوئی رقیب ، نہ ضرورت کسی بہانے کی
غیر ممکن ہے تیرے بعد ہوس ، دل کسی اور سے لگانے کی

۳۔ بی بی، یعنی بیگم حسرت جن کو سب بی بی کہتے تھے، مجھ کو نانا کہتے ہیں۔ (حسرت)

سرمۂ چشمِ عیش تھی بخدا	خاک تیرے غریب خانے کی
مٹ گئیں آپ بھی مٹا کے مجھے	سختیاں خود بخود زمانے کی
اب نہ دِل ہے، نہ وہ ذخیرۂ شوق	توڑ دوں کنجیاں خزانے کی
یعنی کہنے کی ہے غرض نہ ہوس	اب کسی کو غزل سنانے کی

ان کے بعد اب وہ کیا ہوئی حسرتؔ
دل فریبی تیرے فسانے کی

اس غزل کی تصنیف کے بعد اسی دن رات کو خواب میں بھی آئیں۔ اس طور پر کہ ایک دو منزلہ مکان کی دوسری منزل میں میرے لیے دال روٹی پکانے کی فکر میں تھیں، مگر نمک نہ تھا، جسے انہوں نے کسی سے میری عدم موجودگی میں بہ مشکل منگوایا تھا۔ بہ مشکل اس لیے کہ کثرتِ باراں کی وجہ سے آس پاس کے تمام مکانات گر رہے تھے اور میں بھی گرتی ہوئی دیواروں سے بچتا ہوا بہ دشواری اس مکان میں واپس پہنچا تھا۔ شکایت کرتی تھیں کہ تنہا چھوڑ کر جاتے ہو، نمک تک کا بندوبست نہیں کرتے۔

دوسرے دن یعنی ۱۲ر کو میں نے ایک دوسری غزل کہی وہ بھی درج کرتا ہوں۔

غیر دیکھی جو غمِ ہجر سے حالت میری	خواب میں آئے مٹانے وہ شکایت میری
کیسے بھولوں میں خطا کا یہ کہنا ان کا	یاد آئے گی مرے بعد نصیحت میری
دے کے جاں اپنی کیا تائب عصیاں مجھ کو	رنج کیا کیا نہ سہے اس نے بدولت میری
خدمتِ شاہ شہیداں میں سفارش کر کے	اب وہ بے لوث بنا دیں گے ریاضت میری

فکر اور میرے خورد نوش کی اب تک حسرتؔ
ان سے چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی رفاقت میری

[حسرتؔ موہانی]

☆☆

از کیمپ حجاج کراچی
یکم فروری ۱۹۳۶ء روز شنبہ

عزیزہ نعیمہ سلمہا۔ بعد دعا کے معلوم کرو کہ تم سب سے چہار شنبہ کو رخصت ہو کر ۹ بجے شب کو دہلی پہنچے۔ گاڑی موجود تھی۔ دہلی ہی سے چھوٹتی ہے۔ سب سامان اپنا اور ساتھیوں کا رکھ دیا گیا۔ گیارہ بجے روانہ ہوئے اور دوسرے روز ۴ بجے بھٹنڈا پہنچ کر گاڑی بدلنا پڑی۔ مگر غنیمت ہوا کہ ڈبہ کاٹ کر دوسری گاڑی میں لگا دیا گیا۔ سامان اتارنے کے تمام جھگڑے سے نجات ملی۔ رات بھر چلے۔ سونے کے لیے سب کو جگہ مل گئی۔ اب سمر سٹہ میں پنجشنبہ کی شام کو دوسری گاڑی ملی وہ اس قدر بھری ہوئی تھی کہ بہ مشکل تمام ایک ڈبے میں کچھ سامان اور مرد بیٹھ گئے۔ زنانے ڈبے میں مجھے رضوان[1] کو اور خوشترنگ[2] کو بھرا۔ گاڑی چل دی۔ ڈبہ مختصر اور عورتیں سب پنجابی۔ ان سب نے بڑا زبردست بائیکاٹ کیا۔ کوئی آرام کر رہی ہیں، کوئی بچوں کو پھیلائے اور جگہ گھیرے بیٹھی ہیں۔ چار انگل جگہ بھی نہ دی۔ رضوان پیپے پر بیٹھ گیا۔ خوشترنگ بوا پاخانے کے پاس زمین پر بیٹھیں۔ زمین پر بھی ان کا [پنجابی عورتوں کا] قبضہ اور سامان تھا۔ کچھ سامان اپنا بھی اس میں تھا۔ بہر حال سخت تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ دس بجے تک میری عجیب حالت رہی۔ ایک بار تسلیم احمد[3] صاحب آئے اور کھانا دے گئے۔ رضوان اور ہم دونوں نے کھانا کھایا۔ میں نے اُن سے کہا

[1] رضوان، یعنی رضوان الحسن پسر نعیمہ بیگم (دختر حسرت موہانی (حسرت) [2] بوا خوشترنگ نام خادمہ فرنگی محل جن کو قطب میاں [مولانا عبدالباری کے داماد] نے ہم لوگوں کے ہمراہ کر دیا تھا۔ (حسرت)

[3] حاجی تسلیم احمد صاحب کان پوری، جو ایک بار براہ خشکی عراق ہو کر بائیسکل پر حج کر چکے تھے، وہ بھی ہمراہ تھے۔ (حسرت)

کہ جلد کسی دوسرے ڈبے میں لے چلو ورنہ کل مجھے بخار آجائے گا۔ خیر دس بجے وہ پھر بھاگتے ہوئے آئے۔ مجھے اور رضوان کو مع بستر کے وہاں سے لے گئے۔ جان میں جان آئی۔ مردانے میں مولانا[۴] نے بوروں پر بستر ے الٹے سیدھے لگا دیے اور میں نماز عشاء پڑھ کر لیٹ گئی نماز پڑھنے تک کی وہاں جگہ نہ تھی۔

کل جمعہ کو صبح کے آٹھ بجے ہم سب کراچی اسٹیشن پہنچ گئے۔ وہاں سے ایک موٹر اور ایک گاری ۱۲/ ۱۲/ میں کر کے حاجی کیمپ میں آئے۔ کل صبح کو کھانا بازار سے آیا۔ سب نے کھایا۔ میں نے روٹی گھی کے ساتھ کھائی۔ قیمہ تیج پات دالا نہ کھا سکی۔ اب تک گھر کا کھانا چلتا رہا۔ شام کو خوشرنگ نے آلو پکائے۔ مولانا بازار سے آٹا، چاول، دال، گھی۔ تھوڑا تھورا لے آئے۔ آج صبح کو روٹیاں اور دال مونگ پکائی گئی۔ سب نے کھائی۔ اس وقت شام ہے۔ رضوان نے طاہری پکوائی ہے۔ کھا رہا ہے۔ کل لالٹین ۱۵/ کی آئی وہ جلائی گئی۔

۲

از جہاز داسنا

ساحل ایران و عرب

دوشنبہ ۳/ فروری ۳۶ء

عزیزہ سلمہا! کل سامان سب کے درست ہوئے۔ ۸ بجے کے بعد جہاں بھپارہ ہوتا ہے ہم سب گئے۔ وہاں بھی بغیر کسی جھگڑے کے فوراً چھاپے لگ گئے اور ڈاکٹر کے دستخط ہو گئے۔ ہم لوگ بالکل آخر میں پہنچے تھے مگر حاجی عبدالغنی صاحب مل گئے۔ سب لوگوں کا کام ختم کر رکے جا ہی رہی تھے۔ ان کی وجہ سے اور بھی آسانی ہو گئی۔ ہم سب فوراً ہی آئے اور جہاز پر سوار ہو گئے۔

ٹھیک دس بجے جہاز نے آخری سیٹی دی اور چل دیا۔ مسافر کم تھے۔ اور حاجیوں میں تو ہم ہی ساڑھے چھ آدمی تھے۔ [۵] ہاں دو شخص اور دہلی کے، جو آج خسرو جہاز سے جدّہ ہو کر حج کو

[۴] مولانا یعنی، حسرت موہانی (حسرت)

[۵] ۱۔ حاجی تسلیم احمد صاحب کان پوری

۲۔ حاجی امیر اللہ صاحب۔ کان پوری

(بقیہ اگلے صفحے پر)

جانے والے تھے، وہ بھی مولانا کے ہمراہ ہو گئے۔ حاجی عبدالغنی صاحب نے ان لوگوں کے ٹکٹ جدّے کے بدلوا کر بصرے کے دلوا دیے ورنہ [یہ کام] مشکل تھا۔ ایک اور بڈّھے میاں جن کے لڑکے نجف میں ڈاکٹری کرتے ہیں۔ وہ بھی ساتھ ہیں۔ غرض کہ کل ۹½ حاجی ہو گئے۔ باقی تھوڑے سے مختلف مسافر اور ہیں جو ابادان وغیرہ مقامات کے جانے والے ہیں، حاجی نہیں ہیں۔

جہاز خالی ہے اور اسلامی و رضوانی جہازوں سے چھوٹا ہے۔ نمونہ وہی ہے مگر اس کے اوپر والا ڈک ایسا ہے جیسا حاجیوں والے جہازوں کے نیچے کا ڈک ہوتا ہے۔ ہر طرف سے بند، گول گول شیشے لگے ہیں۔ بیچ بیچ میں جنگلے لگے ہیں۔ البتہ پاخانے وغیرہ نیچے بھی ہیں۔ نل بھی جگہ جگہ لگے ہیں گرم پانی میٹھا [پانی] ہر وقت تیار رہتا ہے، غسل خانے البتہ تھرڈ کلاس والوں کے نہانے کے لیے دیسی ہی ہیں۔ ٹب وغیرہ کچھ نہیں۔ لوگ اٹھا لے جاتے ہیں۔ نالیاں بڑی چوڑی چوڑی ہر طرف ہیں۔ انہیں میں لوگ اپنا اپنا کھانا انگیٹھیوں میں پکاتے ہیں۔ ہم لوگوں نے بھی کل صبح کو دال ارہر، چاول [اور] روٹی پکائی۔ شام کو دال بیچ میل چاول اور آج صبح کو دال مسور، چاول روٹی [اور] آلو کا بھرتا پکایا گیا۔ میری انگیٹھی، خوشرنگ کی انگیٹھی اور پتیلیاں وغیرہ استعمال میں ہیں۔ کراچی سے گھی، آٹا، دالیں، مسالا، چائے، شکر وغیرہ آٹھ روپے کا منگوایا گیا، مشتر کہ گھی خراب ہے۔

جہاز کی رفتار تیز ہے اور چکر وغیرہ مطلق نہیں۔ اوپر جاؤ تو سمندر کی سیر کرو۔ میں صبح کو ذرا دیر کے لیے گئی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔

خیر امید ہے تم سب بخیریت ہو گی۔ پرسوں جہاز بوشہر پہنچے گا اور کچھ دیر ٹھہرے گا۔ جمعرات کو انشاء اللہ تعالیٰ بغداد شریف پہنچ جائیں گے۔ مجھے حرارت رہتی ہے اور کمر میں درد بھی۔

۳۔ میر منوّر رضا صاحب کان پوری

۴۔ خوشرنگ بوا

۵۔ حسرت موہانی

۶۔ بیگم حسرت

اور نصف رضوان۔ (حسرت)

۳

از جہاز دا سنا

ساحل ایران و عرب

چہار شنبہ ۵ر فروری ۳۶ء

عزیزہ سلمہا! پرسوں میں نے کچھ حال لکھا تھا۔ بعد اس کے عصر کے وقت سے جہاز میں یکا یک ہوا شروع ہوئی۔ ہوا نہایت تیز تھی۔ بادل بھی ہو گیا۔ رات کو خوب بارش ہوئی۔ اور اس وقت سے کل دن بھر رات بھر یہی حالت رہی۔ نماز وغیرہ پڑھنے کے علاوہ میں زیادہ تر لیٹی رہی۔ سر میں درد بھی تھا۔ اور بھی سب کو کچھ کچھ دوران سر کی شکایت رہی۔ مگر آج صبح سے موقوف ہے، اگر چہ ہوا بدستور تیز ہے۔

۱۱ بجے بوشہر بندرگاہ ایران آیا۔ جہاز بیچ سمندر میں لنگر انداز ہوا۔ اور بڑی بڑی دس پانچ کشتیوں میں مال آیا۔ انار کے بنڈل بہت آئے ۱؎/ [سوا آنے] کا ایک انار شیریں ہم نے بھی لیا۔ سنترے ا/ [ایک آنے] کے تین۔ مرغیاں انڈے وغیرہ بھی آئے۔ یہاں سے بکس انہیں کشتیوں میں اتارے گئے۔ دو لکڑی کے بڑے بڑے بکس جن میں پوری پوری موٹریں بند تھیں، وہ بھی جہاز کے نیچے کے حصے سے زنجروں میں باندھ کر نکالے گئے اور جس طرح تم نے بھی دیکھا ہوگا کہ سامان لادو لادو کے مشین کے ذریعے اٹھا کر نیچے کشتیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی طرح ایک ایک بکس ایک ایک کشتی پر لادا گیا۔

یہاں سے بوشہر دور سے پہاڑیوں کی طرح نظر آرہا تھا۔ دوربین کھو گئی ورنہ شہر کچھ نظر آتا۔ اور کوئی خاص بات یہاں نہیں ہے۔ جس طرح گڑبڑ عدن یا کامران وغیرہ میں ہوتی ہے اور خرید و فروخت کا سلسلہ خوب جاری رہتا ہے۔ یہاں کوئی ایسی کشتی آئی ہی نہیں۔

کل شام کو انشاء اللہ بصری پہنچیں گے اور کل ہی انشاء اللہ تم کو خط بھی لکھیں گے۔ ایک دہلی سے، دو کراچی سے، تین، اب یہ چوتھا خط کل ہوگا۔ اللہ سے امید ہے تم سب بعافیت ہوگی۔

تسلیم احمد، منوّر رضا، امیر اللہ، خوش رنگ سب مل جل کر کھانا پکاتے ہیں۔ چائے بھی سادی اور ڈبے کے دودھ کی بنتی ہے مگر میں نہیں پیتی، نہ سالن دال وغیرہ کھا سکتی ہوں۔

رضوان بخیریت ہے۔ ڈائری کسی طرح نہیں لکھتا۔ نماز فجر البتہ پڑھ لیتا ہے۔

۴

از بغداد شریف

حجرۂ خانقاہ حضرت غوث پاک

یوم جمعہ ۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ [۷ر فروری ۳۶ء]

عزیزیمہ سلمہا! اللہ سے امید ہے تم سب بخیریت ہوگی، پرسوں کچھ حال لکھا تھا۔ بلوشہر سے جہاز صرف سامان اتار کے ۴ بجے روانہ ہوا اور دس گھنٹے میں ابادان رات کو پہنچا۔ کنارے لنگر انداز ہوا۔ یہ مقام بہت ہی بارونق اور آباد ہے خوب مکانوں میں بجلی کی روشنی اور چہل پہل ہے۔ یہاں تیل مٹی کا بکثرت ہے۔ بے شمار کارخانے ہیں۔ کارخانے سامنے سے سب نظر آتے ہیں۔ یہاں جہاز صرف تیل ہی لینے کو ٹھہرتے ہیں۔ بہر حال دو بجے سے بڑے بڑے پمپ، جیسے تم نے دیکھا ہوگا کہ سمندر سے پانی لینے کے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے چبوتروں میں کئی کئی [پمپ] لگا دیے گئے اور دو بجے سے صبح تک خوب تیل لیا گیا جگہ جگہ چبوترے بنے ہیں اور علیحدہ علیحدہ جہاز تیل لیتے ہیں۔ یہاں تیل آتا ہے اور صاف کیا جاتا ہے۔ جہاز ۸ بجے روانہ ہوگیا۔ ابادان کے کئی مسافر اترنے والے تھے مگر وہاں سواریاں نہیں اتارتے، بلکہ ایک گھنٹے کے بعد محمرہ شہر آیا وہاں لانچ اور کشتیوں میں لوگ گئے اور پھر وہاں سے ابادان موٹروں میں اپنے اپنے گھر گئے ہوں گے۔ حالاں کہ ابادان میں سامنے ہی لوگوں کے گھر بنے تھے مگر وہاں کسی کو نہ اتارا۔ دریائے دجلہ شروع ہوگیا۔ بہت گہرا اور دور تک چلا گیا ہے۔ بغداد بلکہ اس کے بھی آگے تک۔ پانی اس کا زردی مائل گدلا، گنگا کا سا ہے۔ پاٹ بھی بہت بڑا ہے، اتنا کہ جہاز چلتے ہیں۔ کھجوروں کے باغات کا بوشہر کے بعد سے جو سلسلہ شروع ہوا تھا تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ جس طرح سمندر میں جہاں تک نظر جاتی ہے پانی ہی پانی ہوتا ہے، اسی طرح ہر دو جانب سرسبز وشاداب کھجوروں کے باغ ہی باغ نظر آتے ہیں۔

محمرہ میں بھی سامان اتارتے اتارتے دو بج گئے۔ خیر بہت سے لوگ وہاں بھی اتر گئے۔ ہم ہی لوگ اور چند آدمی رہ گئے جو بصرے میں اترنے والے تھے۔ ایک گھنٹہ میں بصرہ

آ گیا۔ محمرہ سے بصرے تک خوب خوب بنگلے اور مکانات دجلہ کے کنارے باغات سے گھرے ہوئے بہت اچھے معلوم ہوتے تھے، جہاز کنارے لنگر انداز ہوا۔ ہم لوگوں نے سامان سب ٹھیک کر لیا تھا۔ ڈاکٹر پہلے آیا سب کے ٹیکے اور پاسپورٹ دیکھیے۔ مولانا کے چونکہ چیچک کا ٹیکہ نہ لگایا تھا ان کو خوف تھا کہ ڈاکٹر [نہ] اعتراض کرے اور قرنطینہ کرے یا کیا کرے۔ میرا رضوان، اور مولانا کا پاسپورٹ ایک ہی میں تھا۔ البتہ اس کے ساتھ چیچک اور ہیضے کی ڈاکٹری سرٹیفکٹ علاحدہ علاحدہ تھے۔ مولانا میرا اور رضوان کا سرٹیفکٹ جو چیچک اور ہیضے دونوں کا تھا پہلے رکھا اس کے بعد اپنا، جو صرف ہیضے کا تھا، پھر خوشرنگ کا۔ ڈاکٹر نے میرا اور رضوان کا سرٹیفکٹ جلد جلد دیکھ کر باقی دو کو دیکھے بغیر ہم چاروں کو پاس کر دیا۔ اب تسلیم احمد رہے۔ ان کے چیچک کے ٹیکوں میں یہ اعتراض تھا کہ بارہ دن کی میعاد پوری ہونی چاہیے۔ اگر کم ہوگی تو بارہ دن کے اندازے سے دن پورے کرنے کے لیے قرنطینہ میں روک لیں گے۔

تسلیم احمد کا پاسپورٹ اور سرٹیفکٹ کراچی کا تھا جس کے صرف ۶ دن ہوئے تھے اس لیے وہ ۶ دن کے لیے روکے گئے۔ اب وہ بہت پریشان، مگر منور رضا صاحب جو ہمارے شیعہ ہم سفر ہیں انہوں نے نواب صاحب خیر پور سے سفارش کی جو ہمارے ساتھ ہی کراچی سے فرسٹ کلاس میں تھے۔ باورچی وغیرہ ساتھ ہیں۔ ایک وقت مولانا کی دعوت کی تھی۔ نواب صاحب نے ڈاکٹر سے کہا سنا۔ خیر ان کو بھی چھوڑ دیا۔ پاسپورٹ ملنے پر ۴ بجے کے بعد جہاز پر سے اترے۔

اب ایک بڑی مشکل یہ باقی تھی کہ سب کا سامان پہلے چنگی خانے [کسٹم] جاتا ہے وہاں ایک ایک چیز بستر ے، بکس، پوٹلیاں وغیرہ سب دیکھتے ہیں۔ نئے کپڑے پر ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ تمباکو کی سخت نگرانی ہے۔ سب سے زیادہ مجھ کو اپنی تمباکو کی فکر تھی کہ کس طرح بچے۔ خیر اللہ کا نام لے کے چلے۔ اب دو نئے دہلی۔۶ والے جو کراچی سے، بجائے جدّے کی طرف سے جانے کے، ہمارے ساتھ ہو گئے تھے، ان کا کل سامان خوب خوب نوچا کھسوٹا گیا۔ اب ہم سب کی باری تھی کہ خفیہ پولیس والے آ گئے۔ ایک نے تو صاف ظاہر کر دیا کہ ہم کو مولانا کی پہلے سے خبر تھی اس کے سبب سے اور جو بڈھے میاں کراچی سے ہمارے ساتھ تھے ان کے لڑکے جو نجف میں ڈاکٹر ہیں وہ اسٹیشن جہاز پر مل گئے، انہوں نے مال وغیرہ سب لکھوا دیا اور ہم سب تلاشی سے بچ گئے۔

---

۶ حاجی محمد حفیظ و حاجی محمد عمر تاجران دہلی۔ (حسرت)

۵ بجے ریل چھوٹنے والی تھی اس کی بھی فکر تھی کہ جلد نجات ہو تو روانہ ہوں خیر بغداد شریف جانے والا میل ۵ بجے چھوٹا۔ اس میں ہم سب نے موٹر پر [سے اتروا کر] سامان جلد جلد رکھوایا اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔ ڈبہ سب خالی پڑا تھا مگر چھوٹی چھوٹی بنچیں دو دو آدمی کے بیٹھنے والی ہیں۔ میں نے اور رضوان نے انہیں پر بستر لگائے اور دوسری طرف مولانا نے اوپر بستر لگایا۔ رات بھر خوب سوتے رہے۔ علی الصباح اٹھے فجر کی نمازیں پڑھیں اور بغداد شریف آ گیا، اترے اس وقت ترشح ہو رہا تھا۔ برامیدان۔ ہوا تیز آندھی سی اور اس قدر سردی تھی کہ خدا کی پناہ خیر تین گاڑیاں کرائے پر کی گئی۔ اور ہم سب سوار ہو کر درگاہ شریف میں آئے۔ وہاں عرب کا سا کمرہ تکیوں گدوں سے ٹھیک موجود تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے وہاں سردی سے بچنے کے لیے بیٹھے۔ اس کے بعد صاحب سجادہ، بڈھے ضعیف آدمی ہیں، مکان سے موٹر پر آئے۔ ان سے مولانا ملے اور احاطہ خانقاہ شریف کے اندر دوسری منزل پر ایک حجرہ ٹھہرنے کے لیے لیا۔ عورتیں ان حجروں میں نہیں ٹھہر سکتیں مگر مولانا کے کہنے سے مجھے بھی رہنے دیا۔ اب ہم اسی میں ہیں۔

اس وقت یکا یک خوب پانی برسا اور اولے پڑے۔ آج جمعہ تھا۔ سب نے نماز پڑھی اس کے بعد دروازہ مزار شریف کا کھلا۔ عورتوں کے ساتھ میں بھی اندر گئی اپنی خوش قسمتی پر رونا آتا تھا۔ تم سب کے لیے دعائیں مانگیں، اب کل لکھوں گی۔

۵

از باب الشیخ

بغداد شریف

یوم سہ شنبہ ۷ اذی قعدہ ۵۴ھ مطابق ۱۱ ر فروری ۳۶ء

عزیز دلسلمہا۔ کئی دن کے بعد آج وقت ملا۔ روزانہ کہیں نہ کہیں جانا ہوتا تھا۔ ہفتے کو بعد صبح کاظمین شریف گئے وہاں حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کا مزار بہت بڑی درگاہ ہے دور سے پھاٹک نہایت مطلا ر بھلا نظر آتا ہے۔ سنہرے کھمبے، قبے، چاندی کی قد آدم جالی خوب لانبی چوڑی بنی ہے۔ اس کے اندر کار چوبی پردے پڑے ہیں اور اونچی سی ضریح رکھی ہے۔ حضرت امام کے مزار شریف پر دعا، تریاق مجرب کا حکم رکھتی ہے میں نے تم سب کی صحت و سلامتی، عافیت، دین و

دنیا وغیرہ وغیرہ کی دل سے دعائیں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

شیعہ عورتوں کا ہجوم بہت تھا۔ جالی کے ہر طرف گھوم رہی تھیں۔ ہم لوگوں کو بھی حنفی مزدّر نے سلام خوب دیر تک پڑھایا۔ وہاں سے دوپہر کو واپس آئے۔ مولانا اور تسلیم احمد کونسلیٹ چلے گئے پاسپورٹ وغیرہ کے انتظام کے لیے۔

واپس آتے ہوئے ہم لوگوں نے کپڑوں کا بازار دیکھا۔ یہاں کے بازار اس قدر کشادہ، پر رونق اور بکثرت ہیں کہ چلتے چلتے دیکھتے دیکھتے انسان تھک جائے مگر سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ ریشمی کپڑوں سے بڑی بڑی دکانیں، مکّے کی وضع کی، پٹی پڑی ہیں۔ اسی طرح ادنی اور سوتی چھینٹیں بھی یہاں بکثرت ہیں۔ جاپانی مال بھی بہت ہے۔ کھانوں کی دکانیں بھی ہیں۔ کھلونوں کی بھی دکانیں ہیں، جاپانی ربر وغیرہ کے جوتوں کی بھی دوکانیں بے حساب ہیں۔ جوتے یہیں کی دوکانوں میں بنائے جاتے ہیں۔ مولانا نے احرام کے لیے ایک جوڑا شامی قسم کا ۱۲؍ [ایک روپیہ بارہ آنے] میں کل خریدا ہے۔ ہاں تو پہلے دن میں نے رضوان کے لیے ایک نیلے رنگ کا ڈبل ادنی کپڑے کا نیا چسٹر للعہ/ [چار روپے] کا خریدا۔ خوب لمبا چوڑا ہے۔ یہاں سردی بہت سخت ہے۔ بارش بھی تھوڑی تھوڑی اکثر ہوتی رہتی ہے۔ ہوا بھی کسی وقت بہت سرد چلنے لگتی ہے۔ یہاں دوکانوں میں سلے ہوئے کوٹ مردانے اور زنانے مخمل کے ہوتے ہیں۔ بچوں کے لیے بھی بکثرت ٹنگے رہتے ہیں۔ خوشرنگ بھی ساتھ ہیں۔ ان کو ایک سوئٹر کی ضرورت تھی مگر انتخاب ایک پرانا مخمل کا زنانہ کوٹ کیا گیا لیکن خوشرنگ نے اُسے پسند نہ کیا۔ مجبوراً میں نے لے لیا۔ اچھا ہے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ پرانی ہے۔ خدا معلوم کیسا ہو۔ میں تھک گئی تھی واپس آئی۔ گوشت کی دوکانیں اور میوے کی بھی دوکانیں بہت زیادہ ہیں۔ انار ۵/ [پانچ آنے] سیر۔ سرخ و شیریں بڑے بڑے دانے۔ شاداب خوب ہیں۔ مولی، گاجر، میٹھے نیبو، کھٹے نیبو، کیلا، غرض کہ کل چیزیں [موجود] ہیں۔ کمپٹ کی دوکانیں بڑی بڑی بے انتہا، مختلف قسم کے چاکلیٹ اور بسکٹ سے بھری رہتی ہیں۔ یہاں صبح سے دوپہر تک بالائی بھی بہت موٹی تہہ کی [ملتی ہے] بکثرت لوگ لیتے ہیں۔ اچھی ہوتی ہے۔ میں تو روز صبح کو دو پیسے چار پیسے کی منگوا کر کھاتی ہوں۔ [اور] رضوان بھی۔ روٹیاں مکے کی سی [ہوتی ہیں]، بخاری بہت بڑی خوب اچھی گرم گرم ۲/ [دو پیسے] کی ایک ملتی ہے۔ صبح کو یہاں پھاٹک پر ایک عورت چنے بھی لاتی ہے، ایک پیسے کے بہت سے ملتے

ہیں۔ سفید اور بہت بڑے جیسے لوبیۓ کے دانے بڑے بڑے۔ میں روز کھاتی ہوں۔ کلیجی کباب وغیرہ وغیرہ [ملتے ہیں]۔ ہوٹل بھی جگہ جگہ بہت ہیں۔ انمیں کھانا ہر قسم کا اور سستا ملتا ہے۔ دودھ بھی ۲ ؍سیر پرسوں منگوایا تھا، خوب گرم اچھا تھا۔ گوشت گائے کا بھی بہت ہے۔ بھینسیں بھی ہیں۔ ملائی وغیرہ اسی [کے دودھ] کی بنتی ہے۔ دُنبے کا گوشت اور بکری کا بھی، آج کل گراں ہے۔ ۸؍ سیر چربی بھی بازاروں میں بکثرت [ملتی ہے]۔ پنیر اور کھویا بھی ملتا ہے۔ ترکاریاں بھی سب ملتی ہیں۔

سڑکیں چوڑی صاف چمک دار [کان پور کی] ٹھنڈی سڑک کی سی ہر طرف ہیں مگر ذرا سی بھی بوندیں پڑتی ہیں تو پھسلن سڑک پر ہو جاتیا ہے۔ سو کھنے پر وہی سڑکیں سخت سیمنٹ کی سی ہو جاتی ہیں۔

بگھیاں جس کو یہاں اربعانہ کہتے ہیں ان میں چار آدمی بیٹھتے ہیں۔ کرایہ بے حد سستا ہے۔ بڑام بھی ہیں۔ یک منزلہ بھی، دو منزلہ بھی۔ مگر تعجب ہے ان میں بھی یہاں صرف دو عراقی گھوڑے لگے ہوتے ہیں، خوب تیز جیسے ہمارے یہاں تانگہ فرفر چلتا ہے۔ مال کے بڑے بڑے چھکڑے بے انتہا وزن کے، ان میں بھی گھوڑے ہوتے ہیں۔ مگر گھوڑے یہاں کے بہت مضبوط اور طاقت ور ہوتے ہیں۔

دجلہ پر پل بنا ہے اس طرح سے کہ نیچے برابر برتاؤ کی طرح لوہے کی کشتیاں پانی میں لنگر انداز ہیں۔ انہیں پر لمبا چوڑا پل قائم ہے۔ اربعانہ [پل پر] نہیں جاتا۔ موٹریں بے عدد و بے شمار ہیں۔ بازاروں میں ہر طرف دوڑ دھوپ اور آدمیوں کا ہجوم ہر وقت نظر آتا ہے۔ مٹھائیوں کی دوکانیں بھی بہت ہیں۔ یہاں خاص و عام غریب امیر سب کی ایک پوشش ہے۔ یعنی کوٹ، پتلون، ٹائی، بوٹ، عراقی سیاہ ٹوپیاں اور اس پر سے اوور کوٹ بھی۔ عراقی خوب گورے گورے خوبصورت انسان ہیں۔ بچے بھی اسی طرح سفید روئی کے گالے [جیسے ہوتے ہیں] چوڑے چوڑے چہرے تندرست موٹے تازے۔

یہاں پردہ نہیں ہے۔ البتہ پرانی وضع کی کچھ عورتیں عرب کا سا نقاب باہر ڈال لیتی ہیں۔ مگر پنڈلیاں اوپر تک کھلی۔ موزے باریک باریک [پہنتی ہیں۔ پیر میں] لیڈیز شو۔ باقی عورتیں عموماً اور نوجوان لڑکیاں خصوصاً نیم برہنہ۔ فراک گریبان چاک اوپر سے چسٹر، بال بنے ہوئے۔ سب کے چہروں پر زلفیں آٹھ آٹھ انگل کی ادھر ادھر گالوں پر لٹکتی ہوتی ہیں۔ کسی کسی کی

چوٹی لانبی لانبی اور کسی کسی کا جوڑا پیچھے بندھا ہوا، ورنہ اکثر کے بال کٹے رہتے ہیں۔ بے انتہا حسین اور گداز بدن۔ سرخ سفید، نازک، نقشے درست۔ بے تکلف اسکولوں میں بازاروں میں گھومتی پھرتی ہیں۔

یہاں سینما بھی بہت ہیں۔ لوگ شوقین اور آسودہ حال بمبئی کا سا نمونہ ہے۔ بازار دوہرے بمبئی کی طرح پٹے ہیں۔ ہر وقت چہل پہلے رہتی ہے مگر مغرب کے وقت سے دوکانیں بند ہونے لگتی ہیں۔ اور آٹھ بجے تک سب بازار بند ہو جاتا ہے۔ دروازے دوکانوں میں لہردار چادروں کے اس قسم کے ہیں کہ جب چاہو اوپر چڑھا لو۔

دوپہر سے گئے گئے مولانا شام کو واپس آئے۔ کسی کے ہاں دعوت تھی۔ وہیں کھانا کھالیا۔ کام کچھ نہ ہوا۔

یہاں قاعدہ ہے کہ ہر حاجی سے سو سو روپیہ کی نقد ضمانت جمع کرا لیتے ہیں اور بغداد سے پکا پاسپورٹ حجاز، شام، فلسطین و مصر وغیرہ کا دس روپے لے کر دے دیتے ہیں، اگرچہ قواعد میں ایسا کہیں نہیں لکھا ہے چنانچہ مولانا نے کونسلیٹ میں خوب بحث و مباحثہ کیا کہ جب ہم ہندوستان سے عراق و حجاز کے دو پلگر اس پاس لائے ہیں تو ہم سے یہاں حجاز کا نیا پاسپورٹ کیوں طلب کیا جاتا ہے۔ ہم دس دس روپے ہرگز بیکار خرچ نہ کریں گے۔ علاوہ بریں فلسطین وغیرہ مقامات کے لیے تو ہندوستان میں یہ اطلاع حکومت کی طرف سے مل گئی تھی کہ وہاں جانا ہو تو نقد ضمانت جمع کرنا ہوگی۔ مگر حجاز کے لیے بھی سو سو روپے مانگے جائیں گے اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ ہمارے لیے اس مزید رقم کا جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ نتیجہ اُس دن یہ نکلا کہ برٹش گورنمنٹ کو تار دے کر جواب منگایا جائے۔

دوسرے دن اتوار تھا اس لیے تعطیل تھی —— سب کام بند تھا۔ طے پایا کہ صبح سے سامرہ بغرض زیارت جانا چاہیے۔ راستے میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت یوشع علیہ پیغمبر کے مزار بھی ہیں چنانچہ دوار بعانہ گاڑیاں کی گئیں۔ راستے میں اتر کر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھا۔ دروازہ بند تھا۔ قفل کھولنے والا اس وقت موجود نہ تھا اس لیے باہر ہی سے فاتحہ پڑھا اس کے بعد حضرت یوشعؑ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بڑا سا حجرہ ہے۔ قبر شکستہ ہونے کے سبب جیسی بڑی میز لمبی چوڑی ہوتی ؟ ہے اسی طرح کے صندوق میں، چاروں طرف سے بند تھی اور سبز غلاف

چڑھا تھا۔ حضرت بشر حافی صحابی رسول اور حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کے مزارات پر بھی فاتحہ پڑھا۔ اس کے بعد کاظمین پہنچ کر وہاں سے بذریعہ موٹر سامرہ جانے کا ارادہ تھا۔ مگر اتفاق سے اس دن دوپہر تک کوئی موٹر لاری نہ ملی۔ مجبوراً بغداد واپس آنا پڑا۔

یہاں کاظمین میں خاندان واجد علی شاہ اودھ کے ایک لکھنوی نواب زمانہ دراز سے رہتے ہیں، ان لوگوں کی پیدائش یہیں کی ہے۔ مگر اردو لکھنؤ کی سی میاں بیوی اور ان کی ہندی خادمائیں خوب بولتی ہیں۔ عراقی عربی زبان بھی یہاں سب ہندیوں کو آتی ہے۔ اسی طرح سے بغداد کے باشندے سب کچھ نہ کچھ اردو بول لیتے ہیں اور مطلب تو خوب سمجھ جاتے ہیں۔ انگریزی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ شریف حسین کے پوتے نوجوان غازی اس وقت بادشاہ عراق ہیں۔

ہاں تو ہمارے ہم سفر منوّر رضا صاحب جب پہلے کربلا آئے تھے تو انہیں نواب صاحب کے یہاں ٹھہرے تھے، جن کا ذکر اوپر گذرا۔ نواب صاحب کا مکان سامنے ہی تھا۔ منوّر رضا صاحب ان سے ملے اور ان کے بھتیجے سے موٹر کے لیے کہا اور اس اثناء میں مجھے اور خوشرنگ کو زنانے میں ٹھہرنے اور پیشاب کرنے کے لیے بھیج دیا۔ یہاں کے مکان بڑے بڑے بنگلے نما ہوتے ہیں۔ نواب صاحب کا ذاتی مکان بھی دو منزلہ سہ منزلہ تھا۔ ایک ملاقات کا کمرہ آراستہ تھا، اور بھی کئی بڑے بڑے ہال تھے۔ یہاں بمبئی سے آئے ہوئے ہرے پان بھی ق/ دو روپے] ڈھولی ملتے ہیں۔ مگر کتھا ویسا ہی مکّے کا سا مٹی کی طرح بے مزہ [ہوتا ہے] بیگم صاحبہ پان دے ہی تھیں مگر میرے پاس پان کان پور کے تھے میں نے نہیں کھایا۔ خوشرنگ نے کھایا۔ ان سے بیگم صاحبہ لکھنؤ کے حالات پوچھتی رہیں۔ خود اپنی باتیں اور پوچھنے پر عراق کے حالات سب بیان کرتی ہیں۔ بڑی لڑکی اور بڑا لڑکا، ایک چھوٹی لڑکی لڑکا سب اسکول گئے ہوئے ہیں۔ ادھیڑ عمر کی ہیں خوب موٹی تازی گوری گوری۔ خیر نواب صاحب کے بھتیجے کو بھی موٹر کی تلاش میں کامیابی نہ ہوئی اور ہم سب بغداد واپس آئے۔

یہاں سہ پہر کو دو صاحب ہندی پنجابی آئے اور مولانا کو مع ساتھیوں کے سینما کی دعوت دی۔ ہم لوگ بعد مغرب سب کے سب گئے ہیں اوپر زنانے میں چلی گئی مرد سب نیچے رہے۔ آدھے گھنٹے کے بعد تماشا شروع ہوا۔ اس میں موجودہ شاہ غازی کی تاجپوشی کا جلوس دکھایا گیا۔ شروع سے ا ٓخر تک لاتعداد فوج کی قواعد، موٹروں کی دوڑ دھوپ اور پبلک کا ہجوم۔ شاہ

غازی گھوڑے پر سوار، سواروں کی فوج کا معائنہ اور سپاہیوں کو خود بھی سلام کرتے رہے۔ پھر موٹر شاہی مکان کو چلے گئے۔ وہاں سے برآمدے میں کھڑے ہو کر شاہی فرمان سنایا۔ اس کے بعد پھر موٹر میں آئے اور پبلک سے برابر مصافحہ کرتے اور فوجی سلام لیتے رہے۔ غرض کہ یہاں کے بادشاہ اور رعایا میں بے حد مساوات ہے۔ لوگ بے تکلف سلام آداب مصافحہ کرتے ہیں۔ آخر تک بس فوج اور گھوڑ دوڑ کا تماشا دیکھنے میں آیا۔ اس کے سوا کوئی سین تھا نہ تماشا۔ سر چکرا گیا۔ البتہ بالکل آخر میں ایک عراقی اور ایک جرمن پہلوان میں کشتی ہوئی۔ خوب گورے گورے موٹے مضبوط تھے۔ عراقی نے جرمن پہلوان کو آخر کار پچھاڑ دیا۔ بس ختم۔ واپسی میں سارا بازار بند کھانا پینا بھی بند سب بھوکے سو رہے۔ تیل لالٹین میں [ڈالنے کے لیے] بڑی وقت سے ذرہ سا مل سکا۔

سینما میں میرے پاس اتفاق سے دہلی کی ایک ماں اور بیٹی بیٹھی تھیں۔ میاں ان کے سولہ سال سے یہاں ہیں۔ بیوی اور بڑی لڑکی سال بھر سے آئی ہوئی ہیں۔ باپ نے لڑکی کا نکاح ماں کی مرضی کے خلاف ایک تین بچوں کے باپ کے ساتھ کر دیا جن کی پہلی بیوی فوت ہو چکی ہیں۔ وہ بھی ہندوستانی تھیں۔ لڑکے چھوٹے چھوٹے ہندوستان ہی میں ہیں۔ کل یہاں خانقاہ شریف میں دونوں ماں بیٹیاں ملنے بھی آئی تھیں۔ اپنی مصیبت بیان کرتی رہیں۔ مدینے اور مکّے میں اپنے لیے دعائیں مانگنے کو کہا۔ ایک دینار، جو تیرہ روپے پانچ آنے کا ہوتا ہے، سینما ہی میں دیا تھا کہ دو بکرے، ایک اپنی اور ایک اپنے بڑے لڑکے کی طرف سے جس کا انتقال ہو گیا ہے، قربانی کر دیے جائیں اور باقی رقم عرفات میں خیرات کر دی جائے۔

دوشنبہ کی صبح کو پھر انتظام شروع ہوا۔ مقام کرخ کو جو نزدیک ہی ہے پل عبور کر کے گاڑیوں میں بیٹھ کر گئے۔ وہاں ہمارے صاحبانِ شجرہ اور دیگر بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ چنانچہ پہلے حضرت جنیدؒ بغدادی کے مزار پر گئے۔ بڑا قبہ ہے۔ مسجد بھی ہے۔ اندر بڑا سا صندوق، جیسے اور سب مزاروں پر ہیں، وہاں بھی تھا۔ صندوق قد آدم اونچے لمبے چوڑے۔ اُن پر کارچوبی غلاف چڑھے ہوتے ہیں، خیر ہم نے فاتحہ پڑھا۔ نزدیک ہی دوسرا صندوق حضرت...... کا تھا، وہاں بھی فاتحہ پڑھا۔ اور دو رکعت مسجد میں نماز نفل پڑھ کر واپس آئے۔ زبیدہ خاتون زوجہ ہارون رشید کا قبہ بھی نظر آیا تھا دور ہی سے فاتحہ پڑھ لیا تھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر ذرا دور خرابہ کرخ میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے اور فاتحہ پڑھا۔ یہ سب ہمارے قادری سلسلے

کے بزرگانِ دین ہیں۔ سب جگہ سے فراغت کر کے واپس آئے۔

مولانا راستے سے مع تسلیم احمد کونسلیٹ چلے گئے کہ آج تار کا جواب آیا ہوگا فیصلہ ہو جائے تو کل نجف اشرف کربلائے معلیٰ اور کوفہ کی زیارت کرتے ہوئے مدینہ شریف روانہ ہو جائیں۔ ہم لوگ بازار دیکھنے چلے گئے۔ خوشرنگ کے لیے ایک سوئٹر سوتی لمبا چوڑا ۱۰ر کا لیا،، موزے ۲ر کے۔ رضوان نے دستانے ۳ر کے لیے منور رضا صاحب نے بھی موزے دستانے لیے۔ میرا ارادہ تھا کہ نفیسہ وانیسہ، کے لیے بھی کچھ کپڑا اچھینٹ کی قسم سے جو یہاں بہت مشہور ہے لوں گی مگر دو چار جگہ پوچھنے پر قیمت ٹھیک نہ معلوم ہوئی۔ مجھے پیاس اور رضوان کو بھوک بہت لگی تھی اس لیے جلد واپس آئے۔

شام کو جمعیۃ الاسلامیہ کی طرف سے مولانا کی اور سب کی دعوت تھی۔ ایک اور جگہ چار بجے چائے کی، اور ایک دوسری جگہ صرف مولانا اور تسلیم احمد کی دعوت تھی۔ شام کو انجمن میں جلسہ بھی تھا۔ خیر ہم سب عصر کے وقت دعوتوں میں چلے۔ میرا ارادہ نہ تھا۔ مگر مولانا نے کہا کہ جلسہ میں چلو، تو میں بھی ساتھ ہوگئی۔ اب باہر نکلنے پر سب لوگ جلسے میں چلے گئے۔ اور مجھے نہ لے گئے کہ عورتوں کے جانے کا یہاں قاعدہ نہیں ہے۔ آپ زنانے میں تشریف لے چلیے۔ وہیں دعوت تھی۔ پہلے سے معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ کون ہیں کہاں جا کے اجنبی کی طرح بیٹھی رہوں گی۔ دعوت کا حال بھی نہ معلوم تھا کہ میری بھی ہے اور یہیں ہے اندر گئی، وہاں ان کی بیوی اور دونوں لڑکیاں تھیں۔ ایک انیسہ کے برابر اور ایک دو مہینے کی انعام ۸ سے بڑی موٹی تازی۔ ایک بڑھیا خادمہ بھی تھی۔

یہ لوگ بریلی کے باشندے ہیں۔ میاں بھی ان کے انجمن کے ممبر یا شاید سکریٹری ہیں۔ ان کی بیوی کو بھی میں نے سنیما بھی دیکھا تھا۔ بات چیت بھی مختصر ہوئی تھی۔ یہاں عصر سے لے کر عشاء تک بیٹھنا پڑا۔ خود بے چاری دعوت کے انتظام میں تھیں۔ ذرا ذرا دیر آ کر بیٹھ جاتی اور چلی جاتی تھیں۔ کمرے میں تنہا میں اور چھوٹی لڑکی جس کو یہاں کے دستور کے مطابق، جس طرح تم نے مدینے میں مولانا عبدالباقی صاحب کے یہاں بچے کو لپٹا کسا بندھا دیکھا تھا، اسی طرح وہ بھی بندھی ہوئی تھی، لمبی لمبی علاحدہ جھولے میں لکڑی کا پالنا پڑا تھا۔ اس میں گدے، تکیہ، رضائی

۸ انعام یعنی نعیمہ کا شیر خوار بچہ۔

کمبل اوڑھے سو رہی تھی۔ پیشاب پاخانے کے وقت اس کا لنگوٹ کھول کر صاف کرتے اور پھر لپیٹ کر کس کے باندھ دیتے ہیں۔ دودھ سب کے سامنے، گریباں سے نکال کے بچے کو پلا دیا اور پھر لٹا دیا۔ بچہ مردہ سا لپٹا ہوا پڑا رہتا ہے۔

یہاں یہی دستور ہے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو نہلا دھلا کر خوب گرم کپڑوں سے جکڑ بند کر کے بالکل الگ جھولے یا کھٹولے میں سلاتے ہیں۔ ماں بچے کو اپنے پاس کسی وقت نہیں سلاتی۔ بالکل علاحدہ اکیلا پڑا رہتا ہے۔ یہ بات ہمارے ہندوستان میں غیر ممکن ہے کہ بچہ الگ پڑا ہے اور ماں آزادی کے ساتھ دوسرے پلنگ پر رہے۔ صرف دودھ پلا دیا اور پاخانے پیشاب کی خبر لے لی۔ یہاں کے بچوں کی بھی عادت ہو جاتی ہے۔ میرے سامنے ماں آئیں اور لڑکی کا لنگوٹ بدلا۔ پیشاب کرایا اور ذرا دیر کھلا رہنے دیا۔ اتنے میں وہ خوب رونے لگی۔ ماں کام سے چلی گئی تھیں۔ میں بہت چمکارا، پیار کیا۔ مگر وہ ذرا دیر بعد پھر رونے لگی ماں آئیں اور اس کو پھر بڑے سے رومال میں لمبے لمبے ہاتھ پاؤں کر کے باندھ کے ڈال دیا۔ چپ ہو گئی۔ ٹک ٹک دیکھتی رہی۔ اور کچھ دیر کے بعد سو گئی۔ ماں باتیں کرتی رہیں۔ اچھے اخلاق کے لوگ ہیں۔

پندرہ بیس آدمیوں کی دعوت تھی۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ عشاء کی نماز کے بعد مولانا جلسے سے آئے تو کھانا کھایا گیا۔ پلاؤ میں یہاں بجائے گوشت کے تلے ہوئے، اچار وغیرہ۔ آخر میں فیرینی جو بہت عمدہ تھی۔ بعد کو سنترے وغیرہ آئے۔

چائے کا بھی سلسلہ رہا۔ اس کے بعد سب واپس آئے۔

کل بھی کونسلیٹ میں پاسپورٹوں کا تصفیہ نہ ہو سکا، ورنہ کل منگل کو روانہ ہو جاتے۔ سامان سب کا بالکل بندھا تیار رکھا تھا کہ پاسپورٹوں کا قصہ ختم ہونے پر بعد ظہر، چل دیں گے۔ اب آج بھی صبح سے یہی تماشا ہو رہا ہے۔ رات کو سامان کھول دیا گیا تھا۔ اس وقت سب کے بستر وغیرہ باندھے گئے اور مولانا، تسلیم احمد [اور] منور رضا ناشتہ کر کے کونسلیٹ روانہ ہو گئے۔ دیکھیے کیا خبر لاتے ہیں۔

اس وقت آلو کا بھرتا اور آلو نمک مرچ کے [بنائے گئے ہیں]۔ رضوان ماشاء اللہ ہر وقت کھاتا رہتا ہے۔ ایک روپیہ اس کو ناصر 9 نے دیا تھا۔ خرچ کر رہا ہے۔ مولانا بھی برابر بالائی

9 ناصر یعنی سید ناصر الحسن موہانی، برادر خرد بیگم حسرت موہانی (حسرت)

وغیرہ منگواتے رہتے ہیں۔

یہاں سردی بہت ہے۔ بدلی رہتی ہے۔ دھوپ بھی نکل آتی۔ سب سے پہلے دن بازار سے ہم نے رضوان کے چسٹر کے ساتھ ایک عراقی ٹوپی بھی لی۔ ایک احسان،[10] ایک قائم[11]، ایک ناصر، ایک سمیع[12] کے لیے بھی یہاں کی یادگار کے طور پر خرید لی۔ نو نو آنے ملی ہیں، انیسہ و نفیسہ کے لیے انشاء اللہ واپسی میں یا مدینے سے کچھ لیں گے۔

ہر وقت یہاں سامنے حضرت غوث پاک کا گنبد نیلے رنگ کا نظر آتا ہے۔ اس پر پچی کاری، پتھروں کا رنگ برنگی، پھول پتیاں بنی ہیں۔ مسجد سے ملا ہوا بہت بڑا ہال ہے، اس کے اندر لکڑی کے منقش دروازے لگے ہیں جس میں قفل اندر اور باہر پیتل کے پڑے رہتے ہیں۔ نماز فجر کے بعد نقیب الاشراف[13] جو بہت ضعیف ہیں، ان کے بجائے ایک اور صاحب جو انہیں کے کوئی ہیں وہ آتے ہیں اور باہر اندر کے قفل کچھ پڑھتے ہوئے کھولتے ہیں۔ بند رہنے کی حالت میں اندر والے دوازے پر سبز رنگ کا کارچوبی پردہ پڑا رہتا ہے، وہ بھی کھلتا ہے اور زائرین اندر جاتے ہیں۔ دروازے کھلنے پر سامنے سڑک تک سے مزار شریف نظر آتا ہے۔ اندر چاروں طرف چاندی کی موٹی موٹی جالی ہے، قدِ آدم بلند اوپر سے بھی جالی کی ڈھالو چھت اونچی سی ہے۔ اسی کے اندر بہت بڑا صندوق یا ضریح ہے جس پر ہر طرف نہایت قیمتی موٹے موٹے کارچوبی غلاف چڑھے ہیں۔ غلاف پر کتبے کلمہ کے بسم اللہ کے اور آیتوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ پھول پتیاں سرخ سبز مخمل پر نہایت دلکش بنی ہیں ہم سب جالی کو چومتے دعائیں مانگتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں، طواف بھی کر لیتے ہیں فجر کے علاوہ ظہر عصر کے وقت بھی روضۂ مبارک کا دروازہ اسی طرح کھلتا ہے۔

عرب کی طرح یہاں بھی وقت کا شمار غروب آفتاب ہی سے ہوتا ہے۔

احاطہ خانقاہ کے بیچ میں بہت بڑا مینار ہے اس پر دو گھڑیاں اور بڑے بڑے گھنٹے اوپر ہی لٹک رہے ہیں، جو ہر [نماز کے] وقت خوب بجتے [رہتے] ہیں۔ مثلاً عشاء کی نماز دو بجے۔

---

[10] احسان پسر سمیع۔ (حسرت)

[11] قایم، پسر ناصر الحسن۔ (حسرت)

[12] سمیع شوہر نعیمہ بیگم (حسرت)

[13] درگاہ حضرت غوث الاعظم کے سجادہ نشین کو نقیب الاشراف کہا جاتا ہے۔ (ع، ص)

فجر کی نماز دس بجے اور اس کے بعد پھر ظہر کی نماز آٹھ بجے اور عصر کی دس بجے ہوتی ہے مغرب کے وقت بارہ بجتے ہیں۔ [۱۴]

یہاں کچھ لوگ عرب کی طرح عبا پہنتے اور پگڑی باندھتے ہیں خصوصاً باب الشیخ کے لوگ۔ یہ بغداد کا ایک محلہ ہے، جیسے لکھنؤ میں فرنگی محل، اسی محلے میں حضرت غوث پاک کا مزار ہے۔

دوسرے محلوں میں شیعہ بھی ہیں اور شاید سنیوں سے زیادہ۔ نجف، کربلا، و کاظمین میں تو شیعہ ہی شیعہ تھے۔ یہاں عیسائی اور یہودی بھی ہیں۔ مسلمان اور غیر مسلم عورتوں میں لباس کا فرق صرف اس قدر ہے کہ مسلمان لڑکیاں برہنہ سر، ٹیڑھی مانگ نکالے، فراک، گون، موزے پہنے، پنڈلیاں کھلی نظر آتی ہیں۔ یہودی و نصرانی عورتیں بھی بالکل اسی طرح رہتی ہیں۔ مگر وہ اپنے سروں پر چٹائی یا مخمل کی رکابی نما چپٹی سی ٹوپی آدھے سر میں پہنے رہتی ہیں۔ بس۔ ورنہ صورت شکل اور کسی بات میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ فقط۔

۶

از مدینہ طیبہ، مکان عبدالباقی صاحب

یوم سہ شنبہ ۳ ذی الحجہ مطابق ۲۵ فروری ۳۶ء

عزیز سلمہا! آج دوسرے ہفتے لکھنے کی نوبت آئی۔ فرصت ہی نہیں ملی۔ کربلا [اور] نجف اشرف میں مدینے آنے کی کشمکش رہی۔ کوشش کرتے کرتے آخر کار مولانا کو سو سو روپے نہیں جمع کرنے پڑے۔ پاسپورٹ بھی نیا نہیں بنوانا پڑا، اور دس دس روپے پاسپورٹ کے بھی میرے، رضوان، مولانا، منور رضا اور امیر اللہ کے نہیں دینا پڑے۔ البتہ تسلیم احمد کو سو روپے ضمانت کے بھی جمع کرنا پڑے اور پاسپورٹ بھی نیا لینا پڑا۔ اس لیے کہ ان کے پاس ہم لوگوں کی طرح کا حجازی پلگرمس پاس [پورٹ] نہیں تھا، بلکہ پکا پاسپورٹ تھا جو انہوں نے کئی سال قبل سائیکل پر حج

---

[۱۴] [اس جگہ ایک جملے کی نشست بدل گئی ہے اور بریکٹ میں چند الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے، تاہم مکتوب نگار کا مافی الضمیر واضح نہیں ہو سکا ہے۔ نماز کے اوقات کا جو ذکر اس جملے میں کیا گیا ہے، اس کا تعلق یقیناً گھڑی کے اوقات سے نہیں ہو سکتا۔ غالباً اشارہ ان گھنٹوں کی طرف ہے، جو خانقاہ کے مینار پر لٹک رہے ہیں۔ اور ہر نماز کے وقت خوب بجتے رہتے ہیں۔ ع، س]

کرنے کے وقت لیا تھا۔

خیر ہم لوگ ۱۳ر فروری کو دوپہر کے وقت بغداد سے روانہ نجف ہوئے۔ کربلا راستے ہی میں ہے۔ بعد مغرب کے قبل اسی دن وہاں اترے اور رات بھر قیام کیا کربلا میں ایک بھی سنی نہیں ہے، تمام شیعہ ہی شیعہ ہیں۔ لکھنؤ کے امام باڑے کا سا نقشہ ہے۔ مطلا و مجلّی شیشہ آلات سے بہت بڑی عمارت جگمگا رہی تھی۔ بیچ میں حضرت امام حسینؑ کا مزار شریف ہے، چاندی کی جالیاں، اندر ضریح صندوق نما۔ اس کے بغل میں علاحدہ علاحدہ حضرت علیا کبر کا مزار اور حضرت علی اصغر کی چھوٹی سی قبر ہے۔ سلام مزوّر نے پڑھایا، وہاں سے نکلے۔ علاحدہ کچھ فاصلے پر حضرت عباس علم بردار کا مزار نہایت روشن اسی طرح سے جگمگا رہا تھا۔ وہاں بھی فاتحہ پڑھا۔ حضرت امام ہی کے روضے کے اندر ایک جگہ کونے میں قتل گاہ بھی ہے۔ قبر کی طرح نیچے گڈھا، اوپر سے جالی لگی زمین دوز لکڑی کا تختہ بند تھا۔ کھول کر دکھایا طبیعت بے قابو ہو گئی، فاتحہ ہر جگہ پڑھا۔

واپس بازار ہوتے ہوئے آئے۔ بازار اچھا ہے۔ بغداد کے نمونے کا اوپر سے پٹا ہوا۔ دو کانیں کپڑے کی، بساط خانے کی اور سب چیزوں کی ہیں۔ چنانچہ وہاں سے تین جوڑ موتی کی چوڑیاں ۴ ؍ [ایک روپیہ چار آنے] میں خریدیں۔ نعیمہ، نفیسہ اور اصیمہ کے لیے۔ سجدہ گاہ بھی ایک درجن شیعہ حضرات کے دینے کے لیے۔ کچھ استعمال شدہ سجدہ گاہ بھی ایک درجن شیعہ حضرات کے دینے کے لیے۔ کچھ استعمال شدہ سجدہ گاہ کربلا سے حاصل کر لیے۔ خاک شفا کی چند تسبیحیں بھی ۲ ؍ [ڈھائی آنے] میں خریدیں۔ راستے میں ایک جگہ دودھ خوب گرم گرم تھا۔ ہم سب لوگوں نے گرم گرم نانیں اور کباب سیخ کے لے کر کھائے۔ مزے کے تھے۔ اور دودھ دو دو پیسے کا بہت سا عمدہ میٹھا لے کر پیا۔ چائے بھی پی اور جائے قیام پر آ کر سو گئے۔ مغرب کی نماز کربلا میں ایک جگہ چٹائی پر پڑھی۔ شیعہ حضرات تعجب سے ہم سب کو دیکھتے رہے۔ حرمِ کربلا کے اندر، حضرت قاسم کا بھی مزار ہے۔ دیگر شہداء کے بھی مزار ہیں۔ گنج شہیداں وہاں سے ذرا دور ہے۔ راستے میں کربلا پہنچنے سے ذرا پہلے پسرانِ حضرت مسلم ابن عقیل کے مزار ہیں۔ ان پر بھی فاتحہ پڑھا کچھ دور پر حضرت عون و حضرت محمد، صاحبزادگانِ حضرت جعفر طیار کے مزاروں پر بھی فاتحہ پڑھا عجب قسم کی طبیعت میں افسردگی پیدا ہوئی۔ حرم میں ہر وقت شیعوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے اور عورتوں کے رونے دھونے کی چیخ پکار بھی رہتی ہے۔

بہر حال صبح کو اسی موٹر میں نجف اشرف روانہ ہوئے۔ ڈرائیور کی خاص [اپنی] موٹر تھی۔ اس کی بیوی اور تین چار بچے بھی نجف تک ساتھ آرہے تھے، اس لیے وہ موٹر بہت اچھی طرح لایا۔ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ ریگستانی راستہ ہے پختہ سڑک نہیں تھی، مگر راہ ہموار تھی۔ چار گھنٹے میں نجف پہنچ گئے۔ کئی میل دور سے سونے کا قبہ اور لمبے لمبے ستون سونے کے نظر آنے لگے۔ ذرا دیر میں پہنچ گئے۔

ڈرائیور نے ایک مکان میں اتارا۔ یہاں بھی ایک سنّی نہیں ہے۔ کل شیعہ ہیں۔ مکانات رہنے کے لیے اور مسافروں کے ٹھہرنے کے لیے سب شیعہ حضرات کے تھے۔ ایک صاحب عبداللطیف نامی سنّی مشہور تھے۔ انہیں کے مکان میں ہم کو اتارا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بھی سنی بنے ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ہم کو اس بارے میں کچھ زیادہ تحقیق و تفتیش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اس مکان میں ہم کو بڑا آرام ملا۔ بڑے بڑے علاحدہ علاحدہ کمرے، پاخانے، پانی، روشنی کا انتظام اچھا۔ لمپ لالٹین حسب موجود — گدّے، تکیے عرب کی طرح لگے ہوئے جو فرسٹ کلاس کے لیے ہوتے ہیں۔ مکّے کی طرح یہ لوگ بھی ایک وقت دعوت کرتے ہیں۔ چنانچہ رات کو سالن روٹی وغیرہ لائے۔

جمعہ کو نجف میں رہے۔ مگر یہاں ایک مسجد بھی ایسی نہیں جس میں کوئی سنّی مسلمان نماز جمعہ پڑھ سکے۔ ایک مسجد ہے بھی تو اس میں قفل پڑا ہے، بند رہتی ہے۔ حرم میں کسی وقت بھی شیعوں کے علاوہ کوئی اور نہیں پڑھ سکتا، کہ جگہ ہی نہیں ملتی۔ ہم سب اپنی جائے قیام ہی پر نماز پڑھتے تھے۔ نجف میں جمع کی نماز کے لیے کسی مسجد کا نہ ہونا بڑے افسوس کی بات ہے۔ منور رضا صاحب تو ہر وقت وہاں اپنی نمازیں پڑھ آتے تھے۔ ہم لوگ صبح کو نماز پڑھنے کے بعد حاضرِ حرم ہوتے اور فاتحہ پڑھ کر چلے آتے تھے۔

یہاں کا خزانہ بھی بہت بڑا مشہور ہے۔ ہیرے جواہرات کے انبار کئی دن تک لوٹے گئے مگر ذخیرہ کم نہ ہوا اور پورے خزانے کا اندازہ نہ ہو سکا۔ آخر کار اسی طرح سے بند کرا دیا گیا۔

کربلا کی طرح یہاں بھی ہر وقت نالہ و شیون کا ہنگامہ برپا رہتا ہے۔ شیعہ حضرات کا ہجوم بکثرت نمازوں اور دعاؤں میں مصروف، عورتیں سب کالے برقعوں میں بے تکلف طواف کرتی اور روتی چلاتی رہتی ہیں۔ کربلا کی طرح یہاں کی جالیوں میں بھی تمام تاگے، چھڑے، چلّے

بندھے نظر آتے ہیں۔ بجلی کی روشنی بکثرت، جھاڑ فانوس بے حساب ہیں، کربلا سے بھی زیادہ۔ نادرشاہ نے تمام عمارت سونے چاندی کی بنوائی ہے۔ دروازے پر ایک موٹی موٹی سونے کی بڑی لمبی زنجیر بھی لٹک رہی ہے۔ اس کو بھی پکڑ کے لوگ بوسہ دیتے ہیں اور جالی سے لپٹ کر مرد عورتیں سب روتے رہتے ہیں۔

یہاں سے نکل کے باہر ایک بہت بڑا قبرستان ہے، بہت پرانا جس میں تمام شہداء صحابہ، سادات اور علماء کی قبریں ہیں، پرانی پرانی، اسے وادی السلام کہتے ہیں۔ مولانا گئے۔ میں بھی ساتھ گئی۔ فاصلے پر تھا، تھک گئی۔ وہاں حضرت ہُود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام پیغمبروں کے مزار ہیں۔ ان پر فاتحہ پڑھ کے واپس آگئے۔

کھانے پینے اور دیگر ضروریات سے فرصت کر کے اب یہاں سے مدینے جانے کے لیے موٹروں اور لاریوں کے ٹکٹوں کا اور جھگڑا نکلا۔ رضوان کے ٹکٹ کے لیے بغداد میں پوچھا گیا تو کہا کہ یہاں آدھا ٹکٹ نہیں ملتا، نجف میں ملے گا۔ اس لیے کہ موٹر کمپنی کا صدر دفتر نجف ہی میں ہے۔ لیکن اب یہاں اس کا پورا ٹکٹ مانگتے ہیں۔ رضوان کے سوا باقی سب لوگوں نے نجف سے مدینے تک کا ٹکٹ آمد و رفت دس دس دینار فی ٹکٹ کے حساب سے بغداد ہی کے دفتر سے خرید لیا تھا۔ مگر یہاں آ کر ایک بڑی دقت پیش آئی وہ یہ کہ ہمارے ٹکٹوں میں بغداد کے دفتر موٹر کمپنی نے پانچواں قافلہ، درج کر دیا تھا۔ اس لیے خیال تھا کہ ۱۵ر فروری بروز شنبہ مدینے روانہ ہو جائیں گے۔ مگر نجف کے دفتر والوں نے ایک حیلہ یہ پیدا کیا کہ موٹروں کا قافلہ علاحدہ اور لاریوں کا علاحدہ نمبر وار روانہ ہوگا اور سنیچر کے دن صرف چار نشستوں والی موٹروں یا آٹھ نشستوں والی ٹیکسیوں کا قافلہ جائے گا اور وہ قافلہ چہارم قرار پائے گا۔ لاریوں کا قافلہ پنجم چھ دن کے بعد روانہ ہوگا اور وہ ایسے تنگ وقت میں مدینے پہنچے گا کہ حج کے لیے وہاں سے فوراً مکے جانا ہوگا۔ اگر جلد جانا ہے تو موٹر کے فی کس ۱۸ دینار یا ٹیکسی کے فی کس ۱۴ دینار کے حساب سے نئے ٹکٹ لو۔ یا لاریوں کے ٹکٹ آٹھ یا چار دینار اور دے کر بدلواؤ، ورنہ پڑے رہو۔ چنانچہ دہلی والوں نے جنہیں جانے کی عجلت تھی، چار چار دینار زیادہ دے کر اپنے ٹکٹ بدلوا بھی لیے۔ اب مولانا پریشان کہ اتنا روپیہ کہاں سے آئے کہ رضوان کا پورا ٹکٹ ۱۴ دینار (فی دینار تیرہ روپے پانچ آنے) میں خریدا جائے اور تسلیم احمد بھی گویا مولانا کے ہی ساتھ ہیں۔ انکا 'مولانا کا' اور میرا، یہ

تین ٹکٹ لاری کے فی ٹکٹ چار دینار کے حساب سے زیادہ دے کر ٹیکسی کے بنوائے جائیں۔ خیر خدا خدا کر کے، خدا کے فضل و کرم سے، رضوان کا ٹکٹ آدھا ہوا اور بجائے سنیچر کے اتوار کو جانا طے ہوا۔ قافلہ موٹروں اور لاریوں دونوں کا قرار پایا۔ موٹریں دس پانچ آگے رہیں گی باقی لاریاں ہوں گی۔ اطمینان ہوا۔

تب اس کے بعد رائے ہوئی، کہ کوفے جانا بھی ضروری ہے۔ نجف سے کوفے ٹرام میں چلے۔ آدھے گھنٹے میں پہنچ گئے۔ چھ سات میل ہے۔ کوفے کی آبادی ایک قصبے کی سی ہے۔ معمولی مکانات، گلیاں بازار بھی ویسا ہی پٹا ہوا۔ ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔ یہاں کے بنے ہوئے جوتوں کی دوکانیں بغداد، نجف، کربلا، ہر جگہ بکثرت ہیں۔ بہر حال اترے۔ مزوّر صاحب جن کے مکان میں ٹھہرے تھے، نجف سے ساتھ آئے تھے۔ جامع مسجد کوفہ کے اندر لے گئے۔ بڑا وسیع احاطہ ہے۔ اس کے اندر جگہ جگہ آٹھ دس بڑے بڑے پتھر کے محراب دار چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ سب کے نام بتائے۔ سب پر فاتحہ پڑھتے چلے۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چبوترہ، پھر حضرت نوحؑ کی وہ طوفانی جگہ جہاں سے سیلاب شروع ہوا اور دنیا غرق ہوگئی بڑا سا گول گول حلقہ بنا ہے، نیچے گہرائی ہے۔ اس کے بعد امام زین العابدین امام حسینؓ، حضرت جبرئیل، حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ اور کئی پیغمبروں کے مصلّے تھے جن کے نام اس وقت یاد نہیں آتے۔ اس کے بعد مسجد کے اندر بھی ایک چبوترہ ہے پٹا ہوا۔ اور ایک در ہے پتلا سا جس میں لکڑی کا دروازہ لگا ہے وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت گاہ ہے۔ اِسی مقام پر ابن ملجم شقی نے حضرت علیؑ کو بحالت نماز زہر آلود، خنجر سے زخمی کیا تھا۔ ہم سب نے بھی وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور فاتحہ پڑھ کر چلے۔ دوسرے دروازے سے باہر نکل کر کچھ دور پر حضرت مسلم کا روضہ ہے۔ ذرا اور آگے چھوٹی جالی کے اندر حضرت علی کی صاحب زادی یا کسی اور کا ایک مزار تھا۔ پھر اور آگے چل کر سامنے حضرت ہانی کا مزار نکلا۔ اس پر بھی فاتحہ پڑھ کر اپنے جائے قیام پر شام تک واپس آگئے اور اتوار کی صبح کو چلنے کی تیاری ہونے لگی۔ بازار سے آلو بہت سے لائے گئے۔ دو روپے کی روٹیاں بھی آئیں۔ پتلی پتلی دو دو پیسے نان ملتی ہے۔ بالائی دو روپے کے قریب آئی۔ بہر حال رات بھر سامان سفر ہوتا رہا۔ صبح کو لاری جو خوب عمدہ تھی، نئی، مضبوط، ۲۴ سیٹوں کی، ۱۲۰ آدمیوں کے بیٹھنے کے لیے طے ہوئی۔ مگر سوئے اتفاق کہ بیچ کی سیٹ جو میں چاہتی تھی وہ مولانا وغیرہ کی غفلت

سے نہ ملی۔ پہلے سے عراقی، چار عورتیں دو مرد، آکے بیٹھ گئے۔ میں حرم میں فاتحہ پڑھنے چلی گئی تھی۔ وہاں سے تسلیم احمد ساتھ تھے وہ بازار سے روٹیاں لینے لگے اس میں دیر ہوگئی۔ ورنہ میں جلد جاکے قبضہ کرلیتی۔ خیر پیچھے کی سیٹوں میں ہم ساڑھے چھ آدمی بیٹھے سب سامان اوپر بندھوا دیا اور فضول سامان بغداد ہی میں چھوڑ آئے تھے، مثلاً پلنگ، کوئلے کا بورا، ایک بڑا بنڈل، کرسیاں وغیرہ۔ دہلی والوں کو بھی ہماری وجہ سے لاری ہی میں جگہ مل گئی۔ انہوں نے جلدی روانہ ہونے کے لیے مجبوراً لاری کے بجائے موٹر کرلی تھی۔ اور آٹھ آٹھ دینار زیادہ جمع کر دیے تھے۔ اب انہوں نے بھی دوڑ دھوپ کر کے اپنے دینار واپس لیے مگر ان کو لاری بہت خراب حال کی ملی۔ بے سیٹوں کی سپاٹ۔

نماز ظہر کے بعد باقی حال لکھوں گی۔ وضو کر کے حرم جا رہی ہوں۔

اضافہ حسرت

یہاں تک لکھنے کے بعد مدینہ منورہ میں بیگم حسرت کی طبیعت بہت علیل ہوگئی اور خط نامکمل رہ گیا۔ مدینے سے مکے تک سفرِ حج اور اس کے بعد پھر مدینہ ہوکر ہندوستان تک واپسی کا بقیہ حال میں اپنے روزنامے کی مدد سے بالاجمال درج کیے دیتا ہوں۔

خدا خدا کر کے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد صالح آفندی قائم مقام، یعنی حاکمِ نجف، سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سب حال سن کر کمپنی والوں کو بلوایا اور ان کو حکم دیا کہ ان کو کل ہی والے قافلے میں بھیجنا اور رضوان کو بھی نصف ٹکٹ پانچ دینار میں دو۔ چنانچہ ہملوگ ۱۶ر فروری ۳۶ء کو لاری میں نجف سے روانہ ہوکر پانچ دن میں مدینہ بخریت پہنچ گئے، اور وہاں سے ۲۷ر فروری ۳۶ء کو بغرض حج کے روانہ ہوئے۔ نجف سے مدینے تک عراقی لاریوں میں بڑے آرام سے سفر طے ہوا۔ عراقی لاریاں گدے دار بہت اچھی ہوتی ہیں اور ان کے شوفر بھی نسبتاً نیک اور خوش خلق ہوتے ہیں۔ ہم نے شیخ عبداللہ سلیمان وزیر مالیہ حجاز سے تار دے کر مدینے سے مکے

تک اپنی اسی عراقی لاری میں جانے کی اجازت منگالی تھی۔ ورنہ اگر بہ قاعدۂ مقرر حجازی لاریوں میں جانا ہوتا، جن کو لاری کے بجائے چھکڑا کہنا زیادہ صحیح ہوگا، تو بیگم حسرت کا حج دشوار ہو جاتا۔ ۲۹ر فروری ۳۶ء مطابق ۶ر ذی الحج کو مکے پہنچے اور حج کے لیے عرفات تک بھی عراقی ہی لاری میں جانا آنا ہوا۔ فریضہ حج ادا کر کے ۴ر مارچ ۱۹۳۶ء سے ۱۰ر مارچ تک مکے میں قیام رہا۔ مکے سے ۱۰ر مارچ کو روانہ ہو کر ۱۱ر مارچ کو مدینے پہنچ گئے اور وہاں ۲۱ر مارچ تک قیام کیا۔ ۲۵ر مارچ کو واپس نجف پہنچے اور ۲ر محرم کو کربلا میں دوبارہ حاضری دے کر ۳ر محرم کو بغداد شریف پہنچ گئے اور اسی دن شام کو بذریعہ ریل بصرے روانہ ہو گئے ۲۸ر مارچ ۳۶ء مطابق ۴ر محرم ۵۵ھ کو میل بوٹ وارسودا میں روانہ ہو کر ۲ر اپریل کو کراچی اور ۴ر اپریل ۳۶ء کو کان پور واپس پہنچ گئے۔ قیام مدینہ ے سفرِ حج اور واپسی سفر ہندوستان کے حالات بھی بہت ضروری اور دلچسپ ہیں۔ لیکن افسوس کہ مدینے سے بیگم حسرت کی طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ پھر ان کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ البتہ سال گذشتہ یعنی ۱۹۳۵ء کے سفرِ حج کا پورا حال ان کے سفر نامۂ حجاز میں موجود ہے جو علیحدہ کتاب کی شکل میں شائع ہوگا۔

تمت

مختصر کتابیات

☆ رسائل و اخبارات

اردو ادب (علی گڑھ) حسرت نمبر: جولائی تا دسمبر ۱۹۵۱ء
اردوئے معلیٰ (علی گڑھ) جنوری ۱۹۱۰ء، مئی و جون ۱۹۱۳ء
——— (کان پور) مئی جون ۱۹۳۷ء جولائی ۱۹۳۷ء
الہلال (کلکتہ) ۲۱ رمئی ۱۹۱۳ء، ۲۸ رمئی ۱۹۱۳ء
جائزہ (کان پور): حسرت نمبر: ستمبر ۱۹۷۵ء
مدینہ، ہفت روزہ (بجنور) ۱۹۱۶ء
نقوش (لاور) مکاتیب، نمبر و خطوط نمبر
نگار (لکھنؤ): حسرت نمبر: جنوری۔فروری ۱۹۵۲ء
ہمدم، روزنامہ (لکھنؤ) ۱۹۱۸ء

☆ کتب

حالات حسرت: عارف ہسوی: دہلی ۱۳۳۷ھ [۱۹۔۱۹۱۸]
حسرت موہانی: عبدالشکور: لکھنؤ ۱۹۵۳ء
حسرت موہانی — حیات اور کارنامے: ڈاکٹر احمر لاری: لکھنؤ ۱۹۷۳ء
شاہراہ پاکستان: خلیق الزماں: کراچی: ۱۹۶۷ء
عظمت رفتہ: ضیاء الدین برنی: کراچی: ۱۹۶۱ء
یارانِ کہن: عبدالمجید سالک: لاہور: ۱۹۶۷ء
انڈین اینول رجسٹر: ۲۵۔۱۹۲۱ء
انڈین کوارٹرلی رجسٹر: جولائی۔دسمبر ۱۹۲۴ء
پاتھ وے ٹو پاکستان: لاہور ۱۹۶۱ء

☆☆

BEGUM HASRAT MOHANI
AUR
Unke Khutoot Wa Safarnama
by
Dr. Nafis Ahmad Siddiqui

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی ۳۱ جولائی ۱۹۳۸ء کو قصبہ سودہا ضلع ہمیر پور یوپی میں ایک معزز اور تعلیم یافتہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ قصبہ سودہا دراصل قطب الدین ایبک کے زمانے میں جب وہ دہلی سے کالنجر (باندہ۔ یوپی) میں چڑھائی کے لئے جارہے تھے تب ان کی فوج میں شامل فوجی اسی قصبے میں ریٹائر ہو گئے تھے اس وقت فوجیوں کے ساتھ فیملی بھی چلتی تھیں اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی یہ فوجی دراصل مصر سے آئے تھے لیکن ان کا شجرہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ نفیس احمد صدیقی کے والد حاجی مولوی کرم احمد ایک مذہبی اور ماڈرن تعلیم کی پیروکار تھے اُن کا اس علاقے میں معزز خاندان میں شمار ہوتا تھا، انہوں نے اپنے بیٹوں کے ماڈرن ایجوکیشن حسب حیثیت دلوائی وہ ایک زمیندار کاشتکار اور مولوی تھے۔ نفیس احمد صدیقی کو ابتدائی تعلیم مقامی رحمانیہ انٹر کالج میں حاصل کر کے کانپور کے کرائسٹ چرچ کالج میں داخل کروا کر وہاں سے بی۔ اے کی ڈگری پاس کروائی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے ایل ایل۔ بی اور دہلی یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر کے سپریم کورٹ آف انڈیا وکالت شروع جو آج یہاں کے مشہور وکلاء میں ایک ہیں۔

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی کی مولانا حسرت موہانی کی بیٹی خالدہ حسرت موہانی سے شادی ہوئی۔ یہ ہندوستان بھر میں سوشل کلچرل اور ہیومن رائٹس کیلئے مشہور ہیں۔ ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی مولانا حسرت موہانی فاؤنڈیشن کے صدر میں، آل انڈیا ہیومن رائٹس اور سوشل جسٹس فرنٹ کے صدر، ہیومن رائٹس یونین آف سپریم کورٹ لائرز کے سکریٹری جنرل، آل انڈیا پیرا میڈیکل فیڈریشن کے سینئر وائس پریسیڈنٹ۔ سرپرست اور ایڈوائزر آل انڈیا بسور سماج، ہیلتھ اینڈ انوائرمنٹل پروٹیکشن آرگنائزیشن کے صدر ایڈوائزر آل انڈیا ڈپلومہ انجینئرس ٹیلیکام ایسوسیشن۔ انڈو عرب اینڈ اسلامک کنٹریز کے صدر۔

ان کی تصانیف (۱) حسرت موہانی اور انقلاب آزادی (۲) کرمنل جسٹس سسٹم ان انڈیا (۳) حسرت موہانی کی شاعری میں احتجاج (۴) حسرت موہانی کی سلیکٹڈ پوئمس (۵) نکات سخن ایڈیشن ثانی (۶) فرسٹ کمپلیٹ انڈیپنڈینس ریزولیشن اینڈ ٹرائل آف انڈیا اینڈ حسرت موہانی جیل ایکسپیریز (۷) بھارت کا پرتھم سمپورن پرستاؤ اور مقدمہ تھا حسرت موہانی کا جیل اولوکن (۸) بیگم حسرت موہانی کے خطوط اور سفرنامہ (۹) اردو ادب میں انسانی حقوق اور امن۔

ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی
(ایڈوکیٹ سپریم کورٹ)
مولانا حسرت موہانی فاؤنڈیشن
573، اسٹریٹ 7 ذاکر نگر پوسٹ جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025
Mob: 9811118374, 9717924801

Published by
MAULANA HASRAT MOHANI FOUNDATION
573, St.7, Zakir Nagar, Jamia Nagar New Delhi-110025
Ph: (R) 0091-11-26988750, (o) 0091-11-23383786
Mob: 9811118374, 9717924801